ماہنامہ
انصار اللہ

از کلام حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہؑ

اگر خواہی کہ یابی در دو عالم جاہ و دولت را
خدا را باش و از دل پیشہ خود گیر طاعت را

تو از دل سوئے یار خود بیا تا نیز یار آید
محبت مے کشد با جذب روحانی محبت را

خدا در نصرت آنکس بود کو ناصر دین است
ہمیں افتاد آئین از ازل درگاہ عزت را

(براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۷۶)

اگر تو چاہتا ہے کہ دونوں جہانوں میں عزت اور دولت حاصل کرے تو خدا کا ہو جا اور دل سے اس کی اطاعت کر تو دل سے اپنے یار کی طرف آ جا تا کہ وہ بھی تیری طرف آئے کیونکہ جذب روحانی سے ایک محبت دوسری محبت کو کھینچتی ہے خدا اس کی مدد میں لگا رہتا ہے جو اس کے دین کا مددگار ہو اور یہی ہمیشہ سے رب العزت کا قانون ہے

ستمبر ۲۰۰۰ء
ایڈیٹر : نصر اللہ خاں ناصر

میں خدا کی طرف سے بھیجا گیا ہوں

سیدنا حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

اور مجھے خدا تعالیٰ نے علم قرآن بخشا ہے اور حقائق معارف اپنی کتاب کے میرے پر کھولے ہیں اور خوارق مجھے عطا کئے ہیں سو میری طرف آؤ تا اس نعمت سے تم بھی حصہ پاؤ۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں۔ کیا ضرور نہ تھا کہ ایسی عظیم الفتن صدی کے سر پر جس کی کھلی کھلی آفات ہیں ایک مجدد کھلے کھلے دعویٰ کے ساتھ آتا۔ سو عنقریب میرے کاموں کے ساتھ تم مجھے شناخت کرو گے۔ ہر ایک جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا اس وقت کے علماء کی نا سمجھی اس کی سد راہ ہوئی۔ آخر جب وہ پہچانا گیا تو اپنے کاموں سے پہچانا گیا کہ تلخ درخت شیریں پھل نہیں لا سکتا....‘‘

(برکات الدعا روحانی خزائن جلد۶ صفحہ ۳۶)

احمدی انصار کی تربیت کے لئے

ماہنامہ
انصار اللہ

تبوک ۱۳۷۹ ہش

ستمبر ۲۰۰۰ء

ایڈیٹر
نصر اللہ خان ناصر

پبلشر:۔ چوہدری محمد ابراہیم
پرنٹر:۔ قاضی منیر احمد
مطبع:۔ ضیاء الاسلام پریس ربوہ
مقام اشاعت:۔ دفتر ماہنامہ انصار اللہ
دار الصدر جنوبی چناب نگر (ربوہ)

اس شمارہ میں

جلد نمبر —— ۴۱
شمارہ نمبر —— ۹

شرح چندہ

پاکستان —— ستر روپے سالانہ
قیمت فی پرچہ —— سات روپے

اداریہ

الٰہی سلسلہ کی مخالفت

دنیا والوں کا وطیرہ چلا آیا ہے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کے مامور آئے تو ان کی شدید مخالفت کی گئی اور ان سے استہزا کیا گیا۔ قرآن کریم نے اہل دنیا کے اس طریق کو یوں بیان کیا ہے۔

"یٰحَسْرَۃً عَلَی الْعِبَادِ مَا یَاْتِیْھِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْن"

افسوس ایسے بندوں پر کہ جب کبھی بھی ان کے پاس رسول آیا تو وہ اس کے ساتھ استہزا کرنے والے تھے۔

ہمارے آقا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانہ میں امت کی اعتقادی، اخلاقی، علمی اور روحانی اصلاح کے لئے مسیح موعودؑ اور مہدی معہودؑ کے آنے کی پیشگوئی فرمائی تھی اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد قادیانی (بانی سلسلہ احمدیہ) علیہ السلام تھے مگر آپ کی نہایت شدت سے مخالفت کی گئی اور استہزا سے کام لیا گیا۔

امت ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہو چکی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق اسلام نام کا باقی رہ گیا تھا تو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے جماعت آخرین کی بنیاد ڈالی اور اسے احمدیہ کا نام دیا اور قوم کو پکارا کہ اگر تم خدا سے پختہ تعلق چاہتے ہو اور حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق کی جماعت میں آنا چاہتے ہو تو امن و عافیت کے اس حصار میں داخل ہو جاؤ۔ فرمایا:

ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار　　دوڑ کر میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے

نیز فرمایا:۔ "روحانی زندگی کے ڈھونڈنے والے بجز اس سلسلہ کے کسی جگہ آرام نہ پائیں گے اور ہر ایک فرقہ سے آسمانی برکتیں چھین لی جائیں گی اور اسی بندہ درگاہ پر جو بول رہا ہے ہر ایک نشان کا انعام ہو گا"

(براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۰۳)

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ اور آپ کی جماعت اپنے عقیدہ اور ایمان کے مطابق جو اپنے تئیں سمجھتی ہے اس کا حق خدا اور اس کے رسولؐ نے اس کو دیا ہے مخالفین اور معاندین جو چاہیں انہیں قرار دیں یہ بات بہر حال ان کے مد نظر رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ پر عمل پیرا کونسی جماعت یا فرقہ ہے اور کس کے بارہ میں آپ نے فرمایا "وہ مجھ سے ہیں اور میں ان میں سے ہوں!"

امام الکلام

مسیح اور آخری مہدی میں ہی ہوں

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب تذکرۃ الشہادتین میں فرماتے ہیں:-

"........ اس صدی کے سر پر جو خدا کی طرف سے تجدید دین کے لئے آنے والا تھا وہ میں ہی ہوں تا وہ ایمان جو زمین پر سے اٹھ گیا ہے اس کو دوبارہ قائم کروں اور خدا سے قوت پا کر اسی کی کشش سے دنیا کو صلاح اور تقویٰ اور راستبازی کی طرف کھینچوں۔ اور ان کی اعتقادی اور عملی غلطیوں کو دور کروں اور پھر جب اس پر چند سال گذرے تو بذریعہ وحی الٰہی میرے پر تبصریح کھولا گیا کہ وہ مسیح جو امت کے لئے ابتدا سے موعود تھا اور وہ آخری مہدی جو تنزل اسلام کے وقت اور گمراہی کے پھیلنے کے زمانہ میں براہ راست خدا سے ہدایت پانے والا اور اس آسمانی مائدہ کو نئے سرے انسانوں کے آگے پیش کرنے والا تقدیر الٰہی میں مقرر کیا گیا تھا جس کی بشارت آج سے تیرہ سو برس پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی وہ میں ہی ہوں اور مکالماتِ الٰہیہ اور مخاطباتِ رحمانیہ اس صفائی اور تواتر سے اس بارے میں ہوئے کہ شک و شبہ کی جگہ نہ رہی۔ ہر ایک وحی جو ہوتی ایک فولادی میخ کی طرح دل میں دھنستی تھی اور یہ تمام مکالماتِ الٰہیہ ایسی عظیم الشان پیشگوئیوں سے بھرے ہوئے تھے کہ روز روشن کی طرح وہ پوری ہوتی تھیں۔ اور ان کے تواتر اور کثرت اور اعجازی طاقتوں کے کرشمہ نے مجھے اس بات کے اقرار کے لئے مجبور کیا کہ یہ اسی وحدہٗ لاشریک خدا کا کلام ہے .... غرض وہ خدا کی وحی جو میرے پر نازل ہوئی ایسی یقینی اور قطعی ہے کہ جس کے ذریعہ سے میں نے اپنے خدا کو پایا اور وہ وحی نہ صرف آسمانی نشانوں کے ذریعہ مرتبہ حق الیقین تک پہنچی بلکہ ہر ایک حصہ اس کا جب خدا تعالیٰ کے کلام قرآن شریف پر پیش کیا گیا تو اس کے مطابق ثابت ہوا اور اس کی تصدیق کے لئے بارش کی طرح نشان آسمانی برسے۔"

(روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۲۰۱)

کلام الامام

مسیح موعودؑ امت میں سے ہوگا

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود....... دیباچہ تفسیر القرآن میں فرماتے ہیں:-

".......آپ ہی ہیں جنہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ آپ کی تعلیم قیامت تک کے لئے ہے۔ اور یہ کہ جس آنے والے مسیح کی خبر دی گئی ہے وہ بھی آپ کی امت کا ایک فرد ہوگا کوئی نیا شخص نہیں ہوگا جس کی آمد کی وجہ سے آپ کی بادشاہت میں کوئی فرق یا اختلال واقعہ ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ مَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ○ (سباء آیت۲۹) یعنی ہم نے تجھے صرف اس لئے بھیجا ہے تاکہ تمام بنی نوع انسان کو تو اس طرح جمع کرے کہ ان میں سے کوئی طبقہ اور کوئی زمانہ تیری تبلیغ سے باہر نہ رہے اور تو تمام انسانوں کے لئے بشیر اور نذیر کے طور پر کام دے۔ لیکن اکثر انسان تیری اس حیثیت سے واقف نہیں ہیں۔ پھر فرماتا ہے دشمن اعتراض کرتے ہیں کہ یہ وعدہ کہ تو سب دنیا کی طرف اور ہمیشہ کے لئے ہے کس طرح پورا ہوگا۔ اگر تم سچے ہو تو اس کی دلیل دو۔ اس کا جواب دیتا ہے کہ تو ان سے کہہ دے کہ تمہارے لئے ہم ایک مدت مقرر کر چکے ہیں تم نہ اس مدت سے ایک ساعت پیچھے رہ سکتے ہو اور نہ آگے بڑھو گے۔ یعنی وہ وعدہ عین وقت پر پورا ہو جائے گا۔ یہ مدت وہی ہے جس کا ذکر سورۃ سجدہ میں کیا گیا ہے۔ سورۃ سجدہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ○ (سجدہ ع ۱۴) اللہ تعالیٰ اسلام کو دنیا میں قائم کریگا۔ پھر اسلام کا زور رفتہ رفتہ کم ہونا شروع ہوگا۔ اور ایک دن میں جس کی لمبائی ایک ہزار سال کے برابر ہوگی وہ خدا تعالیٰ کی طرف چڑھنا شروع ہوگا اور اس میں کمزوری اور اضمحلال کے آثار پیدا ہو جائیں گے۔ اسلام کی ترقی کا زمانہ قرآن کریم سے بھی اور احادیث سے بھی تین سو سال کا معلوم ہوتا ہے اس میں ہزار سال شامل کیا جائے تو یہ زمانہ تیرہ سو سال کا ہو جاتا ہے۔ پس سورۃ سجدہ کی آیت کو ملا کر اس آیت کے یہ معنے بنتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ کے لئے بشیر و نذیر ہونا اور تمام دنیا کی طرف ہونا تیرہ سو سال کے بعد کلی طور پر ثابت ہوگا۔ ان آیات میں اس بات کی خبر دی گئی ہے کہ تیرہ سو سال پر خدا تعالیٰ کی طرف سے مسیح موعودؑ کا نزول ہوگا۔ اور مسیح موعودؑ آپ کی امت میں سے ہوگا۔ اور چونکہ تمام انبیاء کا وہی آخری موعود ہے۔ جب وہ آپ کی امت میں سے ہوگا تو اس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ قیامت تک آپ کی شریعت قائم رہنے والی ہے۔ اور آپ کی شریعت کو منسوخ کرنے والا کوئی اور شخص نہیں آئے گا۔......"　(دیباچہ تفسیر القرآن صفحہ ۸۸-۸۹)

عربی منظوم کلام

اَللّٰہُ خَلاَّقِیْ وَ مُہْجَۃُ مُہْجَتِیْ   حِبٌّ فَدَتْہُ النَّفْسُ کُلَّ فِدَاءِ

اللہ ہی میرا خالق اور میری جان کی جان ہے وہ ایسا محبوب ہے کہ میری روح اس پر تمام تر فدا ہے

وَلَہُ التَّفَرُّدُ فِی الْمَحَامِدِ کُلِّھَا   وَلَہُ عَلَاءٌ فَوْقَ کُلِّ عَلَاءِ

اس کو تمام قابل تعریف صفات میں یکتائی حاصل ہے اور اسی کو تمام بلندیوں پر برتری حاصل ہے

فَانْھَضْ لَہُ اِنْ کُنْتَ تَعْرِفُ قَدْرَہُ   وَاسْبِقْ بِبَذْلِ النَّفْسِ وَالْاِعْدَاءِ

اگر تو اس کی قدر پہچانتا ہے تو تو اس کی خاطر اٹھ کھڑا ہو اور اپنی جان کو فدا کر کے اور تیز دوڑا کر آگے بڑھ

مَلَکُوْتُہٗ تُبْقٰی بِقُوَّۃِ ذَاتِہٖ   وَلَہُ التَّقَدُّسُ وَالْعُلٰی بِغَنَاءِ

اس کی ملکوت اس کی ذات کی قوت سے قائم ہے اور اسی کو غنا کے ساتھ تقدس اور برتری حاصل ہے۔

غَلَبَتْ عَلٰی قَلْبِیْ مَحَبَّۃُ وَجْھِہٖ   حَتّٰی رَمَیْتُ النَّفْسَ بِالْاِلْغَاءِ

میرے دل پر اس کے چہرے کی محبت غالب آگئی یہاں تک کہ میں نے اپنے نفس کو اور اس کی خواہشات کو باطل اور کالعدم بنا کر پھینک دیا۔

وَاَرَی الْوِدَادَ اَنَارَ بَاطِنَ بَاطِنِیْ   وَاَرَی التَّعَشُّقَ لَاحَ فِیْ سِیْمَائِیْ

میں دیکھتا ہوں کہ محبت نے میرے باطن کے باطن کو منور کر دیا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ عشق میرے چہرے پر ظاہر ہو گیا ہے۔

مَابَقِیْ فِیْ قَلْبِیْ سِوَاہُ تَصَوُّرُ   غَمَرَتْ اَیَادِی اللّٰہِ وَجْہَ رَجَائِیْ

میرے دل میں اس کے سوا کوئی تصور باقی نہیں رہا۔ خدا تعالیٰ کے احسانات نے میری خواہشوں کے منہ کو ڈھانپ لیا ہے

(منن الرحمٰن۔ روحانی خزائن جلد ۹ صفحہ ۱۷۰)

فارسی منظوم کلام

حمد و شکر آں خدائے کردگار کز وجودش ہر وجودے آشکار

اس خدائے کردگار کی حمد اور شکر واجب ہے جس کے وجود سے ہر چیز کا وجود ظاہر ہوا

ایں جہاں آئینہ دارِ رُوئے اُو ذرّہ ذرّہ رَہ نمائد سُوئے اُو

یہ جہان اس کے چہرے کے لئے آئینہ کی طرح ہے ذرہ ذرہ اسی کی طرف راستہ دکھاتا ہے

کرد در آئینۂ ارض و سما آں رُخِ بے مثل خود جلوہ نما

اس نے زمین و آسمان کے آئینہ میں اپنا بے مثل چہرہ دکھلایا

ہر گیاہے عارف بنگاہ اُو دست ہر شاخے نمائد راہِ اُو

گھاس کا ہر پتہ اس کے کون و مکان کی معرفت رکھتا ہے اور درختوں کی ہر شاخ اسی کا راستہ دکھاتی ہے

نورِ مہر و مہ زِ فیضِ نورِ اوست ہر ظہورے تابعِ منشورِ اوست

چاند اور سورج کی روشنی اسی کے نور کا فیضان ہے ہر چیز کا ظہور اسی کے فرمان کے ماتحت ہوتا ہے

ہر سَرے سِرّے زِ خلوت گاہِ اُو ہر قدم جوئید در با جاہ اُو

ہر سر اس کے اسرار خانہ کا ایک بھید ہے اور ہر قدم اسی کا باعظمت دروازہ تلاش کرتا ہے

مطلبِ ہر دل جمالِ رُوئے اوست گمرہے گرہست بہرِ کوئے اوست

اسی کے منہ کا جمال ہر ایک دل کا مقصود ہے اور کوئی گمراہ بھی ہے تو وہ بھی اسی کے کوچہ کی تلاش میں ہے

(ضیاء الحق۔ روحانی خزائن جلد ۹ صفحہ ۲۵۱)

حدیث النبیؐ

حکمت کی بات مومن کی گمشدہ متاع ہے

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ کَلِمَۃُ الْحِکْمَۃِ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ مَا وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا۔ (ترمذی)

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ حکمت اور دانائی کی بات تو مومن کی گمشدہ چیز ہوتی ہے اسے چاہئے کہ جہاں بھی اسے پائے حاصل کرے کیونکہ وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

یہ حقیقت ہے قرآن کریم اور اس کی تفسیر میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں علم و حکمت کی باتیں پائی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے دو بڑے مقاصد یُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ بیان فرمائے ہیں چنانچہ آپؐ نے تعلیم کتاب (قرآن حکیم) اور حکمت کا فرض سرانجام دیا اور زندگی کے ہر شعبہ میں امت کی راہنمائی فرمائی

اس حدیث میں علم کے حصول کا ایک ذریعہ یہ بتایا گیا ہے کہ محض کتب کا مطالعہ ہی کافی نہیں بلکہ مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ صحیفۂ فطرت اور کائنات کا بھی مطالعہ کرے علم کا شوق رکھنے والے انسان کے لئے یہ کائنات اور اس کا ذرہ ذرہ ایک کھلی ہوئی کتاب ہے اور ایک مومن اس علم و حکمت کو اپنی استعداد اور جدوجہد کے مطابق حاصل کر سکتا ہے یہی وہ حکمت ہے جو دوسری قوموں نے بھی اپنی فطرتی استعدادوں سے اخذ کی تھی اور یہی وہ ضَالَّۃ ہے جو مومن کی گمشدہ متاع ہے۔ اس میں یہ لطیف اشارہ ہے کہ ایک مومن کو جہاں سے بھی بلا امتیاز مذہب ملت یا عقیدہ کے اختلاف کے علم و دانش اور حکمت کی بات ملے اسے حاصل کرے کیونکہ وہ دین حق کا سرمایہ تھا مگر مومن کی نظروں سے اوجھل۔ پس وہ اسے حاصل کرے۔ پھر ضَالَّۃ ایسی چیز کو بھی کہتے ہیں جو محبوب و مرغوب ہو۔ اور کوئی شخص دیوانہ وار اس کی تلاش میں ہو۔ پس اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ مومن حکمت کی بات کو نہایت ذوق و شوق اور محبت کی نگاہ سے تلاش کر کے اپنا سرمایہ حیات بنائے۔

قصیدہ شاہ نعمت اللہ ولیؒ اور باب کی مہدویت!

تحریر: مکرم مولانا سلطان محمود انور صاحب

(قسط چہارم)

بہائی مضمون نگار نے نفحات رسالہ میں جہاں قصیدہ شاہ نعمت اللہ ولی کو دہلوی کی بجائے کرمانوی کی طرف منسوب کرنے کی بے سروپا کوشش کی ہے۔ وہاں اس امر پر بہت ہاتھ پاؤں مارے ہیں۔ کہ علی محمد باب اور بہاء اللہ کو بالترتیب امام مہدی اور مسیح کے طور پر پیش کریں۔ ذیل میں مزعومہ مہدویت باب کے حوالہ سے ضروری امور پیش ہیں۔

بہائی مضمون نگار نے قصیدہ شاہ نعمت اللہ کے حوالہ سے علی محمد باب کو بطور "مہدی" ثابت کرنے کی جو سعی لاحاصل کی ہے۔ اس کا ملخص یہ ہے کہ:۔

۱۔ علی محمد باب کو مضمون نگار نے ابتدائی کوشش میں قصیدہ میں لفظ "غرس" کا مصداق ٹھہرایا ہے جس کے حروفِ ابجد کے لحاظ ۱۲۶۰ عدد بنتے ہیں۔ لیکن مضمون نگار یہ ثابت نہیں کر سکے۔ کہ جس قصیدہ پر لفظ "غرس" کی بنیاد رکھی ہے۔ اس میں "غرس" کا لفظ موجود ہی نہیں۔ اس کے متعلق گذشتہ قسط سوئم میں تفصیلاً جواب دیا جاچکا ہے۔

۲۔ قصیدہ سے مایوس ہو کر مضمون نگار نے "غرس" کا لفظ حدیث کی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن وہ "غرس" والی کوئی معروف حدیث کی کتاب کا سہارا نہیں لے سکے۔ کیونکہ کسی حدیث میں غرس کا لفظ وہ تلاش نہیں کر سکے۔

۳۔ لہٰذا تیسرا پینترا ان کا یہ ہے۔ کہ غرس کی روایت کو "تاریخ نبیل" کی طرف منسوب کیا ہے جو کہ خود بہائی دماغ کی کاوش ہے۔ اور حقیقت یہ ہے۔ کہ اکثر وضعی جعلی روائتیں بنا کر اس تاریخ نبیل کی جھولی میں ڈال دی گئی ہیں۔

۴۔ پھر مضمون نگار نے علی محمد باب کے مہدی ہونے کے بارے میں ایک شعر کو ثبوت کے طور پر پیش کیا ہے لیکن بیچارے مضمون نگار کلیتہً بھول گئے۔ کہ ان کا بیان کردہ شعر اس قصیدہ میں سرے سے موجود ہی نہیں۔ وہ شعر اور مضمون نگار کا استدلال ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں۔

"قصیدے میں امام مہدی کو "معصوم عن الخطا" کہا گیا ہے اور یہ لفظ دوسرے کسی خلیفہ، مجدد، مصلح سلطان یا سیاسی و مذہبی رہنما کے ظہور کے امکان کو رد کر دیتا ہے کیونکہ یہ لوگ عصمت کبریٰ کے مقام پر فائز نہیں ہوتے۔ شاہ نعمت اللہ فرماتے ہیں:۔

عاصیاں از امام معصوم　　خجل و شرمسار مے بینم"

مضمون نگار سے درخواست ہے۔ کہ اپنے پیش کردہ قصیدہ کو بار بار پڑھیں۔ تا انہیں یہ علم ہو کہ جس شعر پر اپنے فرضی مہدی کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ شعر ان کے پیش کردہ قصیدہ میں مفقود ہے۔

۵۔ علی محمد باب ۲۰۔ اکتوبر ۱۸۱۹ کو پیدا ہوئے۔ ۱۸۴۴ میں دعویٰ بابیت کیا۔ اس سے مراد یہ تھی کہ آنے والے موعود کے لئے علی محمد بطور باب یعنی دروازہ کے ہے۔ بعد میں یہی دروازہ اصل قرار دے دیا گیا۔ بعد دعویٰ ۱۸۴۴ سے لے کر ۱۸۵۰ تک علی محمد باب زندہ رہے اور ۹ جولائی ۱۸۵۰ کو باغیانہ حرکات کے مجرم قرار دے کر قتل کر دیئے گئے۔ بہائی مضمون نگار کی سادگی ہے کہ باب تو ۱۸۵۰ء میں قتل ہوئے مگر وہ ۱۸۵۰ کی بجائے ۱۸۵۲ تک باب کا دور بتا رہے ہیں۔ ان کی اس دو سال کی ہیرا پھیری کا ذکر آگے چل کر آئے گا۔ کہ "آپ کی ماموریت کا دور ۱۸۴۴۔ ۱۸۵۲ ہے" لکھنے کی کیا مجبوری تھی؟

۶۔ بہائی مضمون نگار نے زیادہ اصرار علی محمد باب کے نام کے حوالہ سے اختیار کیا ہے۔ ان کا موقف دو باتوں پر مبنی ہے۔

(الف) "محمد" نام پر زیادہ بحث کی ہے۔ کہ باب کو موعود مہدی وہ اس بنا پر ٹھہراتے ہیں۔ کہ ان کے نام میں "محمد" کا لفظ شامل ہے۔ اور حدیث نبویؐ اپنی تائید میں پیش کی ہے۔ کہ یُوَاطِئُ اِسْمُهٗ اِسْمِیْ۔ یعنی آنے والے امام مہدی کا نام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے موافق یا مطابق ہوگا۔ مضمون نگار کو اپنے اس موقف پر ضرورت سے زیادہ اعتماد ہے۔ لیکن مضمون نگار کو یہ شعور نصیب نہیں کہ سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو صرف "محمدؐ" تک محدود کرنا اور سمجھنا پرلے درجے کی نادانی ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نام خصوصیت سے ذکر فرمائے ہیں۔ ایک "محمدؐ" اور دوسرا "احمد"۔ اور یُوَاطِئُ اِسْمُهٗ اِسْمِیْ۔ والی حدیث میں ہرگز ہرگز کسی ایک نام کا حصر نہیں۔ بلکہ اسے بیان کرتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "محمد" اور "احمد" دونوں کے امکان کو قائم رکھا ہے۔ اور اگر کوئی معین کرنا مقصود ہوتا تو یواطی کی بجائے سیدھا نام ہی حضورؐ بیان فرما دیتے۔ کہ اس کا نام "محمد" ہوگا یا "احمد" ہوگا۔ لیکن ایسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مصلحت اور خاص حکمت کے پیش نظر نہیں کیا۔ اس میں ہرگز ہرگز کسی اختلاف کی گنجائش نہیں۔ کہ "محمد" اور "احمد" میں سے جو نام بھی ظاہر ہوگا۔ وہ حدیث یُوَاطِئُ اِسْمُهٗ اِسْمِیْ۔ کے عین مطابق ہوگا۔ کیونکہ کلام الٰہی میں محمدؐ اور احمدؐ دونوں ہی نام اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ریکارڈ فرما رکھے ہیں۔ اس کے باوجود "محمد" نام پر اصرار اور "احمد" نام سے انکار قرآن کریم کی صریحاً نافرمانی ہے۔

(ب) محمدؐ اور احمدؐ میں فرق کرنے والے بہائی حضرات اور ان کے ہمنوا لوگ محض ایک الجھاؤ کا شکار ہیں۔ اور انہیں وہ بصیرت روحانی نصیب نہیں۔ جو خدا تعالیٰ کی عظیم الشان پیش خبریوں کو سمجھنے کے لئے ضروری اور لازمی ہوا کرتی ہے اور حقیقت یہ ہے۔ کہ پیشگوئی کے جامہ میں محمدؐ اور احمدؐ کے درمیان ہرگز کوئی فرق نہیں۔ دونوں نام یا لفظ باہم مترادف ہیں۔ احمدؐ سے مراد محمدؐ اور محمدؐ سے مراد احمدؐ لینا عنداللہ درست اور مومنانہ

بصیرت کا ثبوت ہے۔ اور خود قرآن کریم میں یہ ثبوت موجود ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ عظیم الشان بشارت دنیا کو سنائی گئی۔ کہ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ۔ یعنی میں ایک عظیم الشان رسول کی آمد کی بشارت لے کر آیا ہوں۔ اور اس عظیم الشان رسول کا نام احمد ہوگا۔ چنانچہ پیشگوئی کی خاص زبان میں جس آنے والے رسول ؐ کی بشارت دی گئی۔ اس کا نام احمد ؐ بتایا۔ اور جب عین اس پیشگوئی کا مصداق خدا تعالیٰ کی طرف سے ظہور فرما ہوا۔ اس کا نام محمد ؐ تھا۔ اب بہائی حضرات اور ان کے ہمنو الفاظی کی بحث میں الجھنے والے اعتراض کر سکتے ہیں۔ کہ پیشگوئی احمد نام سے تھی مگر مصداق محمد ؐ نام سے ظاہر ہوا۔ لیکن جن اہل اللہ کو اللہ تعالیٰ نے روحانی بصیرت اور لدنی فہم سے نواز رکھا تھا۔ انہیں احمد ؐ اور محمد ؐ میں کوئی فرق نہیں محسوس ہوا۔ لیکن بہائی قلمکار محمد اور احمد ؐ کے فرق میں بری طرح الجھے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے۔ کہ روحانی بصیرت تو اللہ تعالیٰ سے ہی نصیب ہو سکتی ہے اور بہائی بیچارے اس قیدی اور مجبور و محبوس اور بے دست و پا شخص کے اس کلمہ پر ایمان لائے بیٹھے ہیں جو کہتا ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا الْمَسْجُوْنُ الْفَرِیْد یعنی میرے تنہا قیدی شخص کے سوا اور کوئی معبود حقیقی نہیں۔ ایسے معبود سے بہائی روحانی بصیرت کیسے حاصل کر سکتے ہیں۔ جس کے اپنے ہاتھ پاؤں بری طرح بندھے ہوئے اور عمر بھر جیل کی کال کوٹھڑیوں میں زندگی تمام ہوئی۔

خلاصہ کلام یہ کہ بہائی مضمون نگار کا "محمد" نام کو علی محمد باب کے حق میں بنیاد ٹھہرانا اور "احمد" نام کے مصداق کا انکار کرنا ان کی سادگی ہے۔ محمد ؐ اور احمد ؐ درحقیقت دونوں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قیامت تک محفوظ فرمائے ہیں۔ اس کے خلاف کسی فرد یا گروہ کی سوچ کوئی اہمیت یا وزن نہیں رکھتی۔ اور احمد نام کے آنے والا یقیناً حدیث رسول ؐ کا مصداق ہے۔

بہائی مضمون نگار نے لکھا ہے کہ قصیدہ شاہ نعمت اللہ میں "محمد" کی بجائے تحریف کر کے "احمد" نام پیش کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ حسب ذیل شعر ملاحظہ ہو۔

ا ح م و دال مے خوانم نام آں نامدار مے بینم

بقول بہائی مضون نگار اس شعر میں تحریف کی گئی ہے۔ اور مضمون نگار کے نزدیک اصل شعر یوں ہے

میم حا میم دال مے خوانم نام آں نامدار مے بینم

گویا شاہ نعمت اللہ ولی نے میم حا میم دال (محمد ؐ) بیان کیا۔ لیکن تحریف کر کے اح م دال (احمد ؐ) کر دیا گیا بہائی مضون نگار اپنے اس موقف میں بھی کسی صداقت یا دلیل پر قائم نہیں۔ کیونکہ:۔

(الف) جہاں تک محمد ؐ کی جگہ تحریف کر کے احمد درج کرنے کا سوال ہے۔ یہ ادنیٰ عقل و فہم والا بھی سمجھ سکتا ہے۔ کہ تحریف سابقہ تحریر میں ہوا کرتی ہے۔ لیکن ایسی تحریف کی مثال دنیا میں صرف بہائی سوچ کی پیداوار ہے۔ کہ احمد ؐ نام والا قصیدہ ۱۸۵۱ میں شائع ہوا۔ اور محمد ؐ نام والا فرضی قصیدہ ۱۸۶۰ کا مطبوعہ بہائی دنیا ظاہر کرتی ہے۔ اب فیصلہ بھی بہائی ہی کریں۔ کہ تحریف کئے جانے کا امکان کونسے قصیدہ میں ہو سکتا ہے جو پہلے چھپا اس میں تحریف ہو گی یا جو بعد میں چھپا اس میں تحریف کی گئی ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ:۔

۱۔ حضرت شاہ نعمت اللہ ولی جو نواح دہلی میں ہوئے۔ ان کا قصیدہ جو ۱۸۵۱ میں شائع ہوا۔ اور جس کو حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اپنی معروف کتاب "الاربعین فی احوال المھدیین" میں شائع کیا۔ وہ بلحاظ اشاعت پہلے سامنے آیا۔ اور شاہ اسماعیل شہید جیسے معروف اور ذی مقام بزرگ نے شائع فرمایا۔

۲۔ جو قصیدہ بہائی دنیا کے ہاتھوں میں رد و بدل اور تحریف و ترمیم کا مورد بنا ہوا ہے۔ وہ اگرچہ ۱۸۶۰ء کا مطبوعہ بتایا جاتا ہے۔ لیکن یہ انکشاف ۱۹۲۰ء میں کیا گیا۔ اور ۱۸۵۱ء میں طبع ہونے والے قصیدہ میں کئی طرح کے رد و بدل اور اضافے کر کے اسے ۱۸۶۰ء کا مطبوعہ ظاہر کیا گیا۔

۳۔ ۱۸۶۰ء کا فرضی قصیدہ کس کے ذریعہ سامنے آیا۔ صرف ایک درویش کا ذکر کیا جاتا ہے۔ وہ کون تھا۔ کہاں کا باسی اور کس نام سے معروف تھا؟ اس کا کوئی معقول جواب بہائی دنیا کے پاس نہیں۔

۴۔ عیسائی مستشرق جی اے براؤن کو درویش کے ہاتھ سے یہ قصیدہ ۱۸۸۸ء میں ملا۔ اس کے بعد مسٹر براؤن نے بہاء اللہ کی ملاقات میں اس قصیدہ کا ذکر کیوں نہ کیا۔ اور ۱۸۸۸ء سے لے کر ۱۹۲۰ء تک اس فرضی قصیدہ کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ ایسے قصیدہ کو آج بہائی مضمون نگار صحیح قرار دیتے ہیں۔ اور جو قصیدہ حضرت شاہ اسماعیل شہید نے ۱۸۵۱ میں شائع کیا۔ اسے محرف اور غلط قرار دیتے ہیں۔ اور ۱۸۶۰ والے فرضی قصیدہ میں علی محمد باب کی مہدویت کے لئے احمدؐ کی بجائے محمدؐ کے الفاظ شامل کر رہے ہیں یہ صریحاً جعلسازی ہے۔ حقیقت کا شائبہ تک اس مضمون نگاری میں نہیں پایا جاتا۔

۵۔ سب سے بڑی وزنی بات اس قصہ میں یہ ہے۔ کہ بہائی دنیا نے مسٹر جی اے براؤن کے اس بیان پر بلا دلیل اور بلا ثبوت اپنے ایمان اور عقیدہ کی بنا ڈال دی۔ کہ یہ فرضی قصیدہ مسٹر براؤن کو ایک غیر معروف اور نامعلوم درویش سے ملا تھا۔ اور آج اس فرضی قصیدہ پر بہائی اپنے ایمان کی عمارت اٹھا رہے ہیں۔ لیکن بہائی قلمکار مسٹر براؤن کے اس بیان پر کیوں یقین اور اعتماد نہیں رکھتے۔ جس میں اس نے وضاحت سے بیان کیا ہے۔ کہ درویش سے ملنے والا قصیدہ نعمت اللہ کرمانوی کے مطبوعہ دیوان میں سرے سے موجود ہی نہیں۔ اور یہی امر بہائی عقیدہ کے کھوکھلا پن کو پوری طرح ظاہر کر دیتا ہے۔

(ب) نفحات کے بہائی مضمون نگار نے زیادہ شدت کے ساتھ یہ بحث اٹھائی ہے۔ کہ قصیدہ کے حسب ذیل شعر میں اگر محمدؐ کی بجائے احمدؐ ہو تو شعر کا وزن بگڑ جاتا ہے۔ اس لئے محمدؐ (میم حامیم دال میخوانم) درست ہے اور الف و حامیم دال میخوانم درست نہیں اصل شعر یوں ہے ؂

ا ح م و دال میخوانم نام آں نامدار مے بینم

اب بہائی مضمون نگار کا اصرار ہے۔ کہ پیشگوئی کے نفس مضمون کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں شعر کا وزن درست رہنا چاہیے۔ اور بہائی سوچ کے مطابق تو اگر محمد کی بجائے کوئی اور نام بھی اس جگہ ٹکا دیا جائے۔ تو پھر بھی کوئی حرج نہیں۔ صرف شعر کا وزن خراب نہ ہو گویا اصل اہمیت شعر کے وزن کو حاصل ہے۔ نہ کہ اس معین وجود یا شخصیت کی جس کی نسبت پیشگوئی مقصود ہے۔ برایں عقل و دانش......

بہائی مضمون نگار کی بات کو بفرض محال درست بھی تسلیم کر لیا جائے۔ کہ احمد کے حروف سے شعر کا وزن بگڑ جاتا ہے تو کیا بہائی مضمون نگار کو یہ علم نہیں۔ کہ بعض اہم اغراض و مقاصد کے پیش نظر معروف اور مستند شعرا کے ہاں "ضرورت شعری" کے تحت شعر کے وزن کو نظرانداز بھی کیا جا سکتا ہے۔ اور اس پر کسی معقول ذی فہم شاعر یا ادیب نے آج تک اعتراض نہیں کیا۔ کیونکہ تمام ادبی دنیا میں شعری کلام میں اصل نفس مضمون اور روح کلام کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اور شعر کے وزن کو حتی الوسع قائم رکھنا مگر عند الضرورت اسے نظرانداز کرنا بھی شاعری کا مسلمہ اصول ہے۔ اس کے بعد بہائی مضمون نگار کا شور مچانا چہ معنی دارد؟

اب سوچنے کی بات یہ تھی۔ کہ شاہ نعمت اللہ ولیؒ کے پیش نظر آئندہ ظہور فرما ہونے والی عظیم شخصیت کی نسبت پیشگوئی تھی۔ یا محض شاعرانہ تخیلات پیش نظر تھے۔ انہوں نے "احمدؑ" کی نسبت پیشگوئی فرمائی۔ مگر بہائی مضمون نگار کی سوچ یہ ہے۔ کہ شعر کے وزن کو مقدم ٹھہرانا چاہیئے۔ اور احمد کی بجائے محمد یا اس کے ہم وزن کوئی نام سمو لینے میں کوئی حرج نہیں۔ خواہ صاد الف باء راء یا دال الف واؤ دال جڑ دیں بشرطیکہ وزن درست رہے۔

یہاں اس امر کا ذکر ضروری ہے۔ کہ شعر کے وزن کی نسبت بہائی مضمون نگار نے جتنی سعی لاحاصل کی ہے۔ اس کا شاعرانہ پیمانوں سے صحیح اور مسکت جواب مکرم مولانا ملک جمیل الرحمن رفیق صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔ جو "انصار اللہ" کے اسی شمارہ میں موجود ہے۔ اور اس بے بنیاد مفروضے کو حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب بھی عرصہ ہوا دلائل سے رد کر چکے ہیں۔ لیکن بہائی حضرات گھسی پٹی باتوں کے سوا کچھ پیش کرنے سے بھی قاصر ہیں۔ اس لئے بار بار ایسی باتیں دہراتے رہتے ہیں۔ جن کے کافی شافی جوابات لٹریچر میں موجود ہیں۔

بہائی مضمون نگار کو اعتراض کرتے وقت یہ شعور بھی نہیں رہتا۔ کہ جس حرف یا لفظ یا عبارت پر اعتراض اٹھا رہے ہیں۔ ان میں کمی بیشی غیر ارادی اور غیر شعوری طور پر ہے یا بالارادہ ایسا ہوا ہے۔ ان دونوں کیفیتوں میں فرق بڑی آسانی سے ہو جاتا ہے۔ کہ اگر غیر ارادی اور غیر شعوری غلطی ہے۔ اور اس سے کوئی مطلب یا مقصد برآری عیاں نہیں تو ایسی غلطی کا ہر انسان سے ہر وقت امکان موجود ہے۔ اور اس غیر شعوری غلطی پر شور مچانا ہرگز درست نہیں۔

دوسرا پہلو یہ ہے۔ کہ کسی لفظ یا عبارت میں رد و بدل کے ساتھ اپنا کوئی مطلب یا مقصد حاصل کرنا ہو۔ تو ایسی تبدیلی بلاشبہ قابل گرفت ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ بہائی قلمکار اپنی جولانیاں دکھا رہے ہیں۔ مثلاً ا ح م و دال میخوانم میں ہرگز کوئی غلطی نہیں۔ لیکن بہائی مضمون نگار کے اپنے سارے کمالات صرف اس امر پر مرکوز کئے ہوئے ہیں کہ احمدؑ کی بجائے محمدؑ (جس سے مراد علی محمد باب لیتے ہیں) کے لئے شعر میں گنجائش نکالی جائے۔ جو کسی طرح بھی جائز نہیں ٹھہرتا۔ اور شعر کے وزن کی آڑ میں احمدؑ کی جگہ محمدؑ لفظ اگر ممکن نہ ہو سکے۔ تو نفحات کا سارا مضمون ناکارہ ہو کر رہ جاتا ہے اور باب کی مہدویت اپنی موت آپ مرجاتی ہے اور مندرجہ بالا جملہ نکات کے بعد باب کی مہدویت ختم ہی نہیں سمجھی جائیگی۔ بلکہ باب کا دعویٰ مہدویت اس بیچارے پر الزام اور بہتان سمجھا جائے گا۔ کیونکہ باب مہدویت کے مدعی نہ تھے۔ یہ ان کے بد خواہ مریدوں کی کارستانی ہے۔ (جاری)

قصیدہ شاہ نعمت اللہ ولیؒ کے مصرعہ

"ا ح م و دال مے خوانم" کاوزن

تحقیق و تحریر: مکرم ملک جمیل الرحمٰن رفیق صاحب

بہائی رسالہ نفحات کی ایک گذشتہ اشاعت میں قصیدہ شاہ نعمت اللہ ولی کے تعلق میں کچھ اعتراضات حضرت بانی سلسلہ احمدیہ پر کئے گئے ہیں جن کے نہایت کافی اور شافی جوابات خدا تعالیٰ کے فضل سے مولانا سلطان محمود انور صاحب قسط وار رسالہ "انصار اللہ" میں تحریر فرما رہے ہیں۔

خاکسار ان اعتراضات میں سے صرف اس حصہ کے متعلق کچھ تحریر کرنا چاہتا ہے جس میں بہائی مضمون نگار نے بڑے شد و مد سے بیان کیا ہے کہ شعر

ا ح م و دال مے خوانم + نام آں نامدار مے بینم

بے وزن ہے۔ اور لکھا ہے کہ "یہاں اپنا نام "احمد" لانے کے لئے عروض کی ساری حدود پھلانگ گئے اور شعر کو بے وزن کر دیا۔" حالانکہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے پہلے سے شائع شدہ قصیدہ بغیر کسی تبدیلی کے صرف نقل فرمایا ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ اس اعتراض کی حقیقت کیا ہے۔

شاہ نعمت اللہ ولیؒ کا زیر بحث قصیدہ بحر خفیف میں ہے۔ یعنی فاعلاتن۔ مستفع لن۔ فاعلاتن (دوبار) قصیدے میں فَاعِلَاتُنْ اکثر سالم استعمال ہوا ہے، مگر مختلف مقامات پر مخبون یعنی فَعِلَاتُنْ، یا ابتر یعنی فَعْلُنْ، یا مقصور یعنی فَاعِلَاتْ وغیرہ بھی آیا ہے۔ یہ علم العروض کی اصطلاحات ہیں، اعتراض کرنے والے نے قواعد عروض کے حوالے سے بات کی ہے، لہٰذا انہیں ان اصطلاحات کا مفہوم معلوم ہی ہو گا۔

مُسْتَفْعِلُنْ دوسرا رکن پورے قصیدے میں ایک بار بھی استعمال نہیں ہوا یعنی ان ۵۵ اشعار میں جو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنے رسالہ "نشان آسمانی" میں درج فرمائے ہیں۔ بلکہ ہر جگہ مخبون یعنی مُفَاعِلُنْ استعمال ہوا ہے۔ اب ہم اصل شعر زیر بحث کو لیتے ہیں

ا ح م و دال مے خوانم + نام آں نامدار مے بینم

معترض کو اس شعر کے پہلے مصرع پر اعتراض ہے۔ اور پہلے مصرع میں بھی "اح م د" پر بلکہ صرف الف پر کہ اس کی وجہ سے شعر بے وزن ہو گیا ہے۔ معترض نے بے وزن ہونے کی تشریح نہیں کی کہ کیسے بے وزن ہو گیا۔ مگر ان کا مطلب یہ ہے کہ "اح م د" والے شعر کی تقطیع یوں ہو گی:

-○-○ / -○○-○○ / -○-○○-○ + -○-○ / -○○-○○ / -○-○-○○

مفاعیلن　مفاعلن　فَعْلن　+　فاعلاتن　مفاعلن　فَعْلُن

یعنی شعر کی ابتداء میں مفاعیلن کہاں سے آگیا بحر خفیف میں؟ باقی سب اجزاء قواعد عروض کے مطابق درست ہیں۔

نوٹ:۔ تقطیع میں دائرہ متحرک حرف اور علامت ڈیش (-) ساکن حروف کو ظاہر کرتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ قواعد عروض میں ایک قاعدہ خزم کا بھی ہے۔ اردو شاعری میں تو اس کا استعمال نظر نہیں آیا مگر عربی میں بہت ہے اور فارسی شعراء بھی خزم کر لیتے ہیں۔ خزم کا مطلب ہے شعر کے ابتداء میں ایک سے لے کر چار حروف تک کو وزن شعر سے کاٹ دینا۔ یعنی وزن میں شمار نہ کرنا۔ مثلاً

یا مطر بن ناجیة بن سامة اننی　+　اجفٰی و تغلق دونی الابواب

-○-○-○ / -○○-○○○ / -○○-○-○ + -○○-○○○ / -○○-○○○ / -○○-○○○ / -○

خزم　متفاعلن　متفاعلن　مستفعلن　+　متفاعلن　متفاعلن　مفعولن

یہ شعر بحر کامل میں ہے۔ پہلے دو حروف (یا) کا خزم کیا گیا ہے یعنی وزن سے خارج ہیں، وزن ان دو حروف کے بعد محسوب ہوا ہے۔

فارسی شعر کی مثال

میانکش نازکک چو سایہ موے　+　گوئی از یکد گر گستتے

-○○○ / -○○-○○ / -○-○○-○ + -○○○ / -○○-○○ / -○-○○-○ / ○

خزم　فاعلاتن　مفاعلن　فَعِلن　+　فاعلاتن　مفاعلن　فَعِلن

اس شعر میں صرف ایک حرف کا خزم ہوا ہے۔ اردو شعراء خزم نہیں کرتے اور نہ ہی انہیں یہ پسند ہے، مگر عرب شعراء اور فارسی شعراء خزم کرتے ہیں۔ قصیدہ زیر نظر بھی فارسی میں ہے۔ زیر بحث شعر میں ایک حرف کا خزم ہے

الف　حا　میم　و　دال　می　خوانم　+　نام　آں　نامدار　ے　بینم

-○-○/-○○-○○/-○-○○-○ + -○-○/-○○-○○/-○-○-○/○

خزم　مفعولن　مفاعلن　فَعْلُن +　فاعلاتن　مفاعلن　فَعْلُن

یہاں ایک حرف کا خزم کرنے کے بعد رکن مفعولن بنا جو کہ فَاعِلَاتُنْ کی تشعیث شدہ حالت ہے۔ یعنی فَاعِلَاتُنْ میں وتد کا ایک متحرک حرف محذوف ہے جس کی وجہ سے فاعلاتن فَالَاتُنْ یا فَاعَاتُنْ بن گیا جو کہ مَفْعُوْلُنْ ہے۔ پس یہ شعر بالکل ٹھیک بحر خفیف کے وزن پر ہے۔

۲۔　اح م و دال ے خوانم کی ایک اور تقطیع:

-○-○/-○○-○○/-○-○○○/○

خزم　فَعِلَاتُن　مفاعلن　فَعْلن

یہاں الف حامیم و دال میں حسب قواعد عروض ف کو متحرک کیا گیا ہے۔ یہ عام قاعدہ ہے اور اس قصیدے میں بھی کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ اسی مصرع میں بھی آپ اس کا استعمال دیکھ سکتے ہیں یوں: دَالِ ے خوانم کی تقطیع لام کو متحرک کر کے کی گئی ہے۔ دالِ ے خوانم۔ اس قصیدے ہر شعر میں یہ قاعدہ استعمال ہو رہا ہے۔ پس یہ تقطیع قواعد کے عین مطابق ہے صرف ایک حرف کا خزم کرنا پڑے گا جس کے لئے قواعد عروض میں گنجائش موجود ہے۔ اس طرح پہلا رکن فَعِلَاتُن بنا جو کہ فَاعِلَاتُنْ کو مخبون کرنے کے بعد حاصل ہوا۔ خبن کا مطلب ہے رکن کے دوسرے حرف کو حذف کرنا بشرطیکہ وہ حرف ساکن ہو۔ فَاعِلَاتُنْ میں دوسرا حرف الف ہے جسے حذف کر کے فَعِلَاتُن بنا ہے۔ پس اح م و دال ے خوانم بالکل درست وزن رکھتا ہے۔ ہرگز بے وزن نہیں۔

۳۔　ایک اور دلچسپ تقطیع: عربی جاننے والے خوب سمجھتے ہیں کہ ہر وہ الف جس پر زیر، زبر یا پیش آ سکے وہ درحقیقت ہمزہ ہے نہ کہ الف۔ ہمزہ کی اپنی معین شکل موجود نہیں بالعموم عین کا سرا (ء) اس کی نشانی ہے۔ مگر ہمزہ کبھی واو کی شکل میں لکھا جاتا ہے جیسے مؤمن میں۔ اور کبھی ی کی صورت میں جیسے جِئ۔ یاد رہے کہ ایسی واؤ اور ی کے اوپر عین کا سرا (ء) محض یہ اشارہ کرنے کیلئے لکھا جاتا ہے کہ یہ واو اور ی دراصل ہمزہ ہیں نہ کہ واو اور ی۔ لفظ احمد میں الف نہیں بلکہ یہ ہمزہ ہے چنانچہ عرب اسے أحمد لکھتے ہیں۔

بہرحال یہ شکل تو الف کی ہے مگر اصل میں یہ ہمزہ ہی ہے۔ اردو دان اسے الف کہہ دیتے ہیں۔ الف کے لحاظ سے اوپر دو طرح سے تقطیع دی گئی ہے۔ مگر چونکہ یہ الف لغت عرب کے لحاظ سے ہمزہ ہے' لہٰذا اح م و دال ے خوانم کو یوں پڑھا جا سکتا ہے

ہمزہ حامیم و دال ے خوانم

اور تقطیع یوں ہو گی:

-○-○○-○/-○○-○○/-○-○-

فاعلاتن　مفاعلن　فَعْلُن

لیجئے پہلا رکن آپ کی مرضی کے مطابق فاعلاتن سالم موجود ہے۔

دلچسپ انکشاف

قارئین کرام کو معلوم ہو کہ قصیدہ شاہ نعمت اللہ ولی کے بارہ میں اور زیر بحث شعر سے متعلق اہل بہاء کے یہ اعتراضات کوئی نئے نہیں۔ ۱۹۳۵ء میں یہ سارے اعتراضات کئے جا چکے ہیں اور جماعت احمدیہ کے شیر مولانا جلال الدین صاحب شمس ۱۹۳۵ء ہی میں بذریعہ الفضل (۱۴ جون ۱۹۳۵ء) اور بذریعہ کتابچہ "تائید نشان آسمانی" ان تمام اعتراضات کا تفصیلی جواب دے چکے ہیں۔ اوپر کی تین اقسام کی تقطیع عاجز راقم کی طرف سے ہے۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس نے بھی دو طرح سے تقطیع کر کے جواب دیا تھا جو درج ذیل ہے:۔

ا۔　الف حامیم و دال میں الف کے لام کو ساکن کرنا: قواعد عروض میں یہ اجازت موجود ہے کہ وزن درست کرنے کے لئے کبھی متحرک کو ساکن کر دیتے ہیں۔ مولانا شمس صاحب نے اس کی مثال میں فردوسی کا یہ شعر لکھا ہے

دگر از در بلخ تا بَدْخشاں　+　ہمیں است زیں پادشاہی نشاں

(شاہنامہ جلد ۲ صفحہ ۱۷)

یہاں فردوسی نے وزن درست کرنے کے لئے بَدَخشاں کو بَدْخشاں باندھا ہے۔ پس الف حامیم و دال ے خوانم کی تقطیع یوں ہو گی:۔

الف حامیم و دال ے خوانم

-○-○○-○/-○○-○○/-○-○-

فاعلاتن　مفاعلن　فَعْلُن

خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت حسان بن ثابتؓ کے اس مشہور شعر میں بھی متحرک ی کو ساکن کیا گیا ہے تاکہ وزن درست رہے

کُنْتَ　السَّوَادَ　لِنَاظِرِیْ　+　فَعَمِیْ　عَلَیْكَ　النَّاظِر

-○○-○-○-/○○-○○○ + -○○-○○○/-○○-○-○

مستفعلن　متفاعلن　+　متفاعلن　مستفعلن

یہاں فَعَمِیَ کو فَعَمِیْ پڑھنے سے وزن درست رہے گا ورنہ بحر کامل مجزو میں چھ (۶) متحرک حروف جمع ہو جانے سے وزن کا ستیاناس ہو جائے گا۔

۲۔ مولانا شمس صاحب (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے) نے ایک اور طرح بھی اس کی تقطیع کی ہے۔ وہ اس طرح کہ الف حا یا اردو میں الف حے میں وزن کرتے ہوئے ح کو ساقط کر دیا ہے اور الف حے کی شکل الفے بن گئی ہے۔ اور یہ بالکل درست ہے۔ بالعموم وزن میں ہائے ہوز (ہ) کو ساقط کرتے ہیں' مگر کبھی ح کو بھی کر دیتے ہیں۔ یہ بالعموم فارسی میں اور کبھی اردو میں بھی ہوتا ہے۔ مولانا شمس صاحب نے اس کی مثال میں خوشدل کا یہ شعر بطور استشہاد پیش فرمایا ہے:

نکاح جب تک نہیں ہوتا مرے ساتھ　+　لگانا ہے مناسب کب تمہیں ہاتھ

یہاں نکاح کی ح کو وزن میں ساقط کر دیا گیا ہے تاکہ وزن درست رہے۔ اس شعر کی تقطیع یوں ہو گی (یہاں نکاح کو "نکا" پڑھا جائے گا):۔

--○-○○/-○-○-○○/-○-○-○○ + --○-○○/-○-○-○○/-○-○-○○

مفاعیلن　مفاعیلن　مفاعیلْ / فعولانْ　+　مفاعیلن　مفاعیلن　مفاعیلْ / فعولانْ

یہ بحر ھزج میں ہے' جس میں عروض اور ضرب مقصور ہو کر مفاعیلن سے مفاعیل یا فعولان بن گئی ہیں۔

پس اس لحاظ سے اح م و دال مے خوانم یوں پڑھا جائے گا۔

الفے میم و دال مے خوانم

اور اس کی تقطیع ہوگی:۔

-○-○/-○○-○○/-○-○○○

فعلاتن　مفاعلن　فَعْلن

پس بحر خفیف کا وزن قائم و دائم ہے۔

مندرجہ بالا وضاحتوں کے بعد اگر کوئی اس شعر کے بے وزن ہونے کی رٹ لگاتا رہے تو اس کی مرضی۔

یہ داستان جو آدھی صدی پہ پھیلی ہے

اندھیری رات کے آنگن میں کچھ دیئے اُترے
کمال عزم کا سامان وہ لئے اُترے
غضب کی دھوپ میں چھاؤں سی وہ کئے اُترے
کسی بھی گرد سے اب تک ہوئی نہ میلی ہے
یہ داستان جو آدھی صدی پہ پھیلی ہے

وہ دھوپ تھی کہ یہاں آگ سی برستی تھی
درندے رہتے تھے' ویرانی راج کرتی تھی
تھی گھاس تک نہ یہاں عجیب دھرتی تھی
ہیں اب شجر بھی یہاں' پھول پتے پودے ہیں
زمانے والو ! یہی عاشقوں کے سودے ہیں

یہاں کے ذروں کی کیا شان آب و تاب ہوئی
یہاں کی دھوپ بھی کرنوں کی ہمرکاب ہوئی
دعائے فضلِ عمر کیسے مستجاب ہوئی
عجیب نور ہے، نکہت ہے اور خوشبو ہے
وفا و مہر کی بارش ہے اور ہر سو ہے
وہاں کی قدسی تفاخر نہ کیوں فضائیں کریں
امامِ وقت بھی جس کے لئے دعائیں کریں
جو جی میں آئے تعصب کی اب ہوائیں کریں
محبتوں کی یہ روشن جبیں رہے آباد
یہ امن و آتشی کی سرزمیں رہے آباد

عبدالکریم قدسی

داستان ربوہ کے لئے زمین خریدنے کی

چند تاریخی حقائق و شواہد کی روشنی میں

تحریر: مکرم عاصم جمالی صاحب جھنگ صدر

قادیان سے نکالی جانے والی آبادی کو بسانے کی تجویز ستمبر ۱۹۴۷ء میں ہی کر لی گئی تھی۔(۱) جب برصغیر کی تقسیم کے ساتھ فسادات میں شدت آئی اور قادیان پر سکھوں کے متواتر حملوں اور ان میں ہندوستانی انتظامیہ کی معاونت سے قادیان کے اکثر باشندوں کو مجبوراً اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔ اور انتظامیہ کے احکامات کے تحت جماعت احمدیہ کے کالج ہائی سکول اور جامعہ احمدیہ کی عمارات کو خالی کرایا گیا۔ نور ہسپتال کی عمارت کو بھی بالجبر خالی کروایا تو ان اقدامات کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً دس ہزار سے زائد آبادی کو اپنے آبائی گھروں سے ہاتھ دھونا پڑے۔ قادیان کی دوسری آبادی ان ہزار ہا باشندوں کے علاوہ تھی جو ان مظالم سے تنگ آکر ترک وطن پر مجبور ہوئے تھے (۲)

حضرت اقدسؑ کا الہام "داغ ہجرت": ہجرت کی الہامی پیش خبریاں سلسلہ کے اخبارات و جرائد میں موجود تھیں حضرت مسیح موعود کو ۱۸ ستمبر ۱۸۹۴ء کو الہام ہوا:۔ "داغ ہجرت" (۳)

حضرت اقدس نے ایک دفعہ حضرت حکیم الامت مولانا نورالدین .... کو مخاطب کر کے اس الہام کا ذکر فرمایا "اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے لیے ہجرت مقدر ہے" یہ جاں سوز اور رقت آمیز الفاظ حضرت اقدس نے مقدمہ دیوار کے موقعہ پر فرمائے جبکہ یہ دیوار مخالفین نے ۱۹۰۰ء میں "الدار" اور "بیت المبارک" کے درمیان تعمیر کی تھی جس سے مہمانوں کو سخت دشواری پیش آتی تھی۔ حضرت اقدسؑ نے احباب کے مشورہ سے ایک وفد ضلع کے ڈپٹی کمشنر صاحب کے پاس صورت حال بتانے کی غرض سے بھجوایا۔ وفد نے واپس آکر بتایا کہ ابھی وہ بنگلہ بر چووال سے کافی دور تھے کہ صاحب بہادر نے بڑبڑانا شروع کر دیا:۔

"تم لوگ ہم پر رعب ڈالنے آئے ہو۔ ہم تم کو خوب جانتے ہیں تمہیں سیدھا کر دیا جائے گا ابھی چلے جاؤ ورنہ گرفتار کر لیے جاؤ گے۔"

حضرت اقدس کے یہ درد بھرے الفاظ سن کر حضرت حکیم الامت مولانا نورالدین صاحب...... نے عرض کیا کہ حضور! بھیرہ میں ہمارے مکانات موجود ہیں وہاں ہر طرح کی سہولت رہے گی۔ اسی طرح چوہدری حاکم علی صاحب ...... چک پنیار ضلع سرگودھا نے بھی اپنے وطن کی پیشکش کی اور وہاں سہولتوں کا ذکر کیا۔ حضرت مولانا عبدالکریم

صاحب...... نے سیالکوٹ جانے کی دعوت دی- محترم شیخ رحمت اللہ صاحب نے لاہور جانے کے لیے عرض کی

حضورؓ نے سب کی باتیں سن کر فرمایا :- "اچھا جب اذن ہوگا" (۴)

حضرت اقدسؑ نے ایک موقعہ پر اسی سلسلہ میں فرمایا :-

"انبیاء کے ساتھ ہجرت ہی ہے- لیکن بعض رویاء نبی کے زمانہ میں پورے ہوتے ہیں اور بعض اولاد یا کسی تبع کے ذریعہ سے پورے ہوتے ہیں- مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قیصر و کسریٰ کی کنجیاں ملی تھیں تو وہ ممالک حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فتح ہوئے" (۵)

پاکستان میں نئے مرکز کا قیام کی تجویز حضرت مسیح موعودؑ کا الہام "داغ ہجرت" حضرت خلیفۃ المسیح الثانی...... کے زمانے میں پورا ہوا- حضرت خلیفۃ المسیح الثانی...... نے ۱۹۴۲ء میں ایک رؤیا دیکھا کہ آپ ایک جگہ کی تلاش میں ہیں جہاں جماعت کو پھر سے جمع کیا جارہا ہے اور منظم کیا جارہا ہے وہ جگہ پہاڑیوں کے بیچ میں ہے (۶)

نئے مرکز کی اراضی کے حصول کے لئے جس شخص نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی..... کی خدمت میں ابتدائی رپورٹ پیش کی وہ چوہدری عزیز احمد صاحب باجوہ تھے جو ان دنوں سرگودھا میں سیشن جج تھے- چوہدری صاحب موصوف نے حضور کی خدمت میں یادداشت پیش کی اس یادداشت میں جن مقامات کے نام تجویز کئے گئے ان میں شیخوپورہ، ننکانہ صاحب، سیالکوٹ شہر، پسرور، کلاسوالہ، چوہڑ منڈہ، چناب کا کنارہ جہاں سے وہ پہاڑوں سے نکلتا ہے راوی کا کنارہ جہاں سے وہ شکر گڑھ تحصیل میں داخل ہوتا ہے، کھوٹہ، سکھوں کے دیہات جو راوی کے کنارے اور کشمیر کی سرحد کے نزدیک سکھوں نے خالی کیے ہیں- ساتھ ہی ان مقامات کے منتخب کرنے کی وجوہ اور امکانات پر بھی مختصراً روشنی ڈالی گئی تھی- نویں نمبر پر چنیوٹ کے بالمقابل دریائے چناب کے پار کا علاقہ بتایا گیا اس بارہ میں یہ وضاحت کی گئی تھی کہ :-

"اس جگہ خیال ہے کہ کافی رقبہ گورنمنٹ سے مل سکے گا- یہ جگہ ہر طرح سے موزوں ہے سوائے اس کے کہ احمدی اردگرد کم ہیں" (۷)

مرکز کے لئے زمین کا انتخاب : حسب ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی......... چوہدری عزیز احمد صاحب باجوہ اور کرنل عطاء اللہ صاحب نے شیخوپورہ اور جڑانوالہ میں مختلف اراضی کا جائزہ لیا- بعد ازاں چنیوٹ کی طرف سے دریائے چناب کو پار کر کے جب اس زمین پر پہنچے جہاں اب ربوہ آباد ہے تو انہوں نے اس خطہ کو مرکز کے لیے سب سے زیادہ موزوں قرار دیا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی....... کی خدمت میں اپنی رائے پیش کردی-

محترم جناب راجہ علی محمد صاحب سابق افسر مال ضلع جھنگ کے گذشتہ بندوبست میں تحصیل چنیوٹ کے تحصیلدار بندوبست رہ چکے تھے ریٹائرمنٹ کے بعد صدر انجمن احمدیہ کے مرکزی دفتر بیت المال میں بطور ناظر کام کرتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی .... مرکزی کارکنان کی مجلس طلب فرماتے تھے۔ راجہ صاحب موصوف بھی ان مجالس میں شریک ہوتے تھے۔ ایک موقعہ پر آپ نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ رقبہ ان کا دیکھا ہوا ہے۔ یہ قطعہ زمین زراعت کے ناقابل بالکل کلر تھور ہے۔ جہاں صرف ایک بوٹی "لانی" ہوتی ہے اس کے علاوہ اور کسی قسم کی سبز و درختوں وغیرہ کا وہاں نشان نہیں۔ (۸)

چوہدری ظہور احمد مرحوم (ناظر دیوان) نے ارد گرد کے معززین سے سنا کہ یہاں ایک کروڑ پتی ہندو بہادر چند نامی نے کوشش کی کہ اس بیکار زمین میں اگر پانی کا بندوبست ہو جائے تو اسے قابل زراعت بنا کر فائدہ اٹھایا جائے اس کام پر اس نے ہزارہا روپیہ خرچ کیا لیکن کامیابی کی کوئی کرن نظر نہ آئی (۹)

راقم الحروف کو سید بشیر احمد شاہ صاحب دارالنصر شرقی ربوہ نے بتایا کہ جب وہ چناب پر ریلوے برج کی تعمیر کے دوران ملازم تھے۔ انہوں نے اس ہندو مہاجن کی آبپاشی کوشش کے آثار پائپ وغیرہ دیکھے تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا جائزہ

جناب راجہ علی محمد صاحب جو چھنبی چو آسیدن شاہ المعروف کوٹ راجگان کے رہنے والے تھے۔ (۱۰) آپ بیان کرتے ہیں:۔

"انہی ایام میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی .... نے ایک دن سرگودھا کی سڑک پر واقعہ قطعات اراضی یعنی ربوہ والا قطعہ اور کڑانہ پہاڑیوں کے دامن میں واقع ٹکڑہ کو خود دیکھنے کا ارادہ کیا۔ حضور کے ساتھ درج ذیل احباب روانہ ہوئے:۔

۱۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ۲۔ حضرت نواب چوہدری محمد دین صاحب ۳۔ حضرت مولوی عبدالرحیم درد صاحب ۴۔ محترم چوہدری اسد اللہ خان صاحب بیرسٹرایٹ لاء ۵۔ محترم راجہ علی محمد صاحب

یہ قافلہ تقریباً دس بجے دن یہاں پہنچا۔ حضور نے کار سے نکل کر سڑک پر کھڑے کھڑے رقبہ کا جائزہ لیا۔ بالخصوص پختہ سڑک، ریلوے لائن کے درمیان اس کی جائے وقوع پر غور فرمایا۔ پھر حضور نے سڑک کے متوازی سامنے کی پہاڑی پر چڑھ کر پہاڑی کے پیچھے زمین کی سطح کو دیکھنے کا خیال کیا اور پہاڑی پر چڑھنا شروع کیا لیکن اس کی نصف بلندی تک پہنچ کر فرمایا کہ میں کمزوری محسوس کرتا ہوں اور اوپر نہیں جا سکتا اور نیچے اتر آئے مگر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور حضرت مولوی عبدالرحیم درد صاحب جو حضور کے ساتھ اوپر چڑھ رہے تھے چوٹی پر پہنچے اور واپس آکر پہاڑوں کے پیچھے زمین کی صورت حال کا ذکر کیا۔ بعد ازاں سڑک پر تھوڑی دور سرگودھا کی طرف آگے چل کر

سڑک پر...... ہینڈ پمپ سے خود چلو میں پانی لے کر چکھا اور فرمایا کہ پانی تو خاصا اچھا ہے۔ احمد نگر کے بالمقابل ایک کنویں کے قریب درخت کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ احمد نگر کے چند معززین وہاں آ گئے آپ نے نمبر دار چوہدری کرم علی صاحب سے دریافت فرمایا کہ دریائے چناب میں سیلاب کا پانی تو یہاں تک بھی پہنچ جاتا ہے۔ پھر دریافت فرمایا کہ آیا وہ رقبہ جہاں اب ربوہ آباد ہے سیلاب کی زد میں ہے اس پر نمبر دار مذکور نے کہا کہ وہاں پانی صرف ایسی صورت میں پہنچے گا جب سیلاب کے پانی کی بلندی اس درخت کی جس کے نیچے حضور کھڑے تھے جھکی ہوئی شاخوں کو چھوئے گی۔ آپ نے ان لوگوں کی تالیف قلوب کے لیے تھوڑی دیر اور گفتگو فرمائی اور پھر سرگودھا کی طرف سفر شروع کیا۔ موٹر میں بیٹھے ہوئے کڑانہ کی پہاڑیوں کا جائزہ لیا دوپہر کے وقت چوہدری عزیز احمد صاحب باجوہ کے یہاں قیام کیا۔ اور شام کے قریب واپس لاہور پہنچے اور اسی روز فیصلہ فرمایا کہ یہ زمین جہاں اب ربوہ آباد ہے جو سرکاری کاغذات میں چک ڈھگیاں کے نام سے موسوم ہے اس کے خریدنے کے لیے فوراً درخواست دی جائے اور یہ کام حضرت نواب محمد الدین صاحب کے سپرد کیا۔(۱۱)

حضرت نواب محمد دین صاحب کی مساعی : حضور کا ارشاد سن کر حضرت نواب صاحب مرد مجاہد کی طرح اس میدان میں اتر پڑے۔ اس کام کے سلسلے میں آپ کو بیس ہزار میل موٹر چلانا پڑی۔ ہر روز آپ کو سیکرٹریٹ اور وزیروں کے بنگلوں پر چکر لگانے پڑتے۔ بعض دفعہ لمبا سفر بھی کرنا پڑتا تھا۔(۱۲)

پہلے پہل اس سلسلہ میں جو درخواست رتن باغ لاہور سے ڈپٹی کمشنر صاحب جھنگ کو ۱۷۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو دی گئی وہ مکرم محمد عبداللہ خان صاحب ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی طرف سے تھی۔ اس میں ربوہ کی زمین کے بارے میں جو معروضات پیش کی گئی تھیں وہ ان الفاظ پر مشتمل تھیں :۔

"ہمیں معلوم ہوا ہے کہ دریائے چناب کے نزدیک چنیوٹ سرگودھا سڑک پر "چک ڈھگیاں" کے نام سے ایک قطعہ اراضی موجود ہے جس کا رقبہ ۱۵۰۶ ایکڑ ہے۔ اس میں سے ۴۷۲ ایکڑ رقبہ تو "غیر ممکن" کہلاتا ہے یعنی اس میں آبادی نہیں ہو سکتی کیونکہ اس میں ریلوے لائن، بڑی سڑک اور پہاڑیوں کے علاقے شامل ہیں۔ بقیہ رقبہ ۱۰۳۴ ایکڑ بھی اس قسم کا ہے کہ وہ زراعت کے ناقابل ہے۔ البتہ اس میں مکانات وغیرہ تعمیر ہو سکتے ہیں۔ یہ زمین اب تک کسی فرد کی زیر ملکیت نہیں اور نہ ہی کبھی یہ زرعی علاقہ سمجھا گیا ہے۔ ہماری درخواست یہ ہے کہ یہ قطعہ اراضی صدر انجمن احمدیہ کو دے دیا جائے۔"(۱۳)

محترم شیخ محمد دین صاحب مختار عام صدر انجمن احمدیہ نے ۱۷۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو یہ درخواست بنگلہ لالیاں میں چوہدری مشتاق احمد صاحب چیمہ ڈپٹی کمشنر کی خدمت میں پیش کر دی۔ پیش روز ڈپٹی کمشنر صاحب اور سپرنٹنڈنٹ

پولیس، شیخ محمد دین صاحب کے ہمراہ اراضی دیکھنے کے لیے تشریف لائے اور تحصیلدار صاحب کو موقعہ کا نقشہ شامل کر کے رپورٹ کرنے کا حکم دیا۔ جب کاغذات مکمل ہو کر ڈپٹی کمشنر صاحب کی خدمت میں آئے تو آپ نے ایک اشتہار دیا اور بعد میں رپورٹ کر دی کہ یہ زمین قابل کاشت نہیں ہے احمدیوں کو دی جائے۔ یہ کاغذات کمشنر صاحب ملتان کی خدمت میں پہنچے تو وہاں سے یہ کاغذات فنانشل کمشنر جناب اختر حسین کی خدمت میں بغرض منظوری پہنچے۔ ریونیو منسٹر نے بعض اعتراضات کے ساتھ یہ سب کاغذات واپس کر دیئے۔ اعتراضات دور ہونے پر یہ کیس دوبارہ ریونیو منسٹر کے پاس پہنچا اور بالآخر ایک طویل کشمکش کے بعد ۲۲ جون ۱۹۴۸ء کو حکومت پنجاب نے زمین فروخت کرنے کی منظوری کی اطلاع کمشنر صاحب ملتان کو بھجوائی جہاں سے ڈپٹی کمشنر صاحب جھنگ کو اطلاع کی گئی۔ اس منظوری کے ایک حصہ کا ترجمہ درج ہے:۔

"دس روپیہ فی ایکڑ کے حساب سے مجوزہ فروخت اصولی طور پر منظور کی گئی۔ تاہم یہ ہدایت کی جاتی ہے کہ ٹاؤن پلینر کو چاہیئے کہ خریدار کے تمام تعمیری (عمارتی) منصوبہ کا اچھی طرح ملاحظہ کریں خصوصاً اس نظریہ کے تحت کہ سڑکوں کو کشادہ رکھنے کے لیے کافی جگہ چھوڑی گئی ہے۔" (۱۴)

جس طویل تگ ودو کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ شاید یہ وہی ہے جس کے لیے حضرت نواب محمد دین صاحب کو بیس ہزار میل کا سفر کرنا پڑا۔ اس کی ایک جھلک حضرت المصلح الموعود...... نے اپنے ایک خطبہ جمعہ میں بیان فرمائی:۔

"ہم نے گورنمنٹ سے ربوہ کی زمین کے خریدنے کی درخواست کی اور اس سے کہا کہ آخر آپ نے ہمیں کوئی جگہ دینی ہی ہے اور کہیں بسانا ہی ہے۔ اگر یہ جگہ ہمیں مل جائے تو جتنے احمدی یہاں بس جائیں گے ان کا بوجھ گورنمنٹ پر نہیں پڑے گا۔ قادیان کے باشندوں کو اگر کسی اور جگہ آباد کیا جائے تو انہیں بنی بنائی جگہیں دی جائیں گی لیکن اگر وہ یہاں بس جائیں تو کروڑوں کی جائیداد بچ جائے گی اور جو دوسرے مہاجرین کو وہاں دی جاسکتی ہے...... انہوں نے اس تجویز کو پسند کیا اور کہا کہ قاعدہ کے مطابق اسے شائع کرنا ضروری ہے تا معلوم کیا جائے کہ اس زمین کا کوئی دعویدار ہے یا نہیں۔ اس کے بعد کہہ دیا گیا کہ جب تک کاغذات کمشنر کی معرفت نہ آئیں کوئی کارروائی نہیں کی جاسکتی۔ ایک مہینہ میں کاغذ کمشنر کے پاس سے ہو کر پہنچے اور اس طرح مارچ کا مہینہ آگیا۔ پہلے کہا گیا کہ ان کاغذات پر قیمت کا اندازہ نہیں لکھا گیا اس لیے ہم کوئی کارروائی نہیں کر سکتے۔ پھر دوبارہ کاغذات مکمل کر کے بھیجے گئے۔ پھر افسر مقررہ نے ایک مہینہ بعد تعمیل کی۔ پھر اپریل میں قیمت لگائی گئی پھر یہ سوال اٹھایا گیا کہ کاغذات منسٹری کے پاس جائیں۔ ہم نے کہا کہ یہ کام تو فنانشل کمشنر خود کر سکتے ہیں۔ مگر کہا گیا کہ کام چونکہ اہم ہے اس لیے کاغذات منسٹری کے پاس بھیجے گئے۔ منسٹری نے کہا ابھی ان پر غور کرنے کی فرصت نہیں آخر ایک لمبے انتظار کے بعد جون میں فیصلہ ہوا۔ اور زیادہ سے زیادہ قیمت ڈالی گئی وہ وصول کی گئی۔ یہ واقعات میں نے اس لیے بتائے ہیں کہ گورنمنٹ کے افسران نے ہمارے ساتھ کوئی رعایت

نہیں کی۔ بلکہ ان کی غفلت کی وجہ سے ہم سال بھر تک اجڑے رہے۔" (۱۵)

تاریخ جھنگ کا حقائق کو مسخ کرنا

ان کٹھن مراحل کے طے کیے جانے کے باوصف "تاریخ جھنگ" کا مصنف اپنے بغض و عناد کو ایک اور ہی رنگ میں پیش کرتا ہے جس سے تاثر یہ دینا چاہتا ہے کہ جماعت احمدیہ کو ربوہ کی زمین کے دیئے جانے میں ایک بڑی سفارش واثر و رسوخ نے کام کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے :-

"جب پنجاب میں نواب ممدوٹ کی مسلم لیگی حکومت قائم تھی۔ انجمن احمدیہ پاکستان کی طرف سے دس ہزار ایکڑ رقبہ سرکاری حاصل کرنے کے لیے درخواست دی گئی۔ جسے اس وقت کے وزیر مال سردار شوکت حیات نے مسترد کر دیا۔ بعد میں جب مبارک علی مرحوم وزیر مال بنے تو انہوں نے سر ظفر اللہ وزیر خارجہ کے کہنے پر رقبہ دینے کی اجازت دے دی اور جون ۱۹۴۸ء میں ڈپٹی کمشنر جھنگ سے یہ وسیع رقبہ قادیانیوں کی تحویل میں دے دیا گیا۔" (۱۶)

اس بیان میں مصنف تاریخ جھنگ نے نہ صرف تاریخی حقائق کو جھٹلایا ہے بلکہ معلومہ و مصدقہ حقائق کا بھی منہ چڑایا ہے مثلاً یہی کہ "دس ہزار ایکڑ" رقبہ تھا۔ جبکہ فی الواقعہ ۱۵۰۶ ایکڑ ہے۔ اس میں سے ۴۷۲ ایکڑ رقبہ تو غیر ممکن کہلاتا ہے یعنی اس میں آبادی نہیں ہو سکتی کیونکہ اس میں ریلوے لائن بڑی سڑک اور پہاڑیوں کے علاقے شامل ہیں بقیہ رقبہ ۱۰۳۴ ایکڑ بھی اسی قسم کا ہے کہ وہ زراعت کے ناقابل ہے۔ اب کوئی اس بزرجمہر سے پوچھے کہ سفارشوں پر کیا اس قسم کے رقبے حاصل کیے جاتے ہیں اور پھر جب کام سفارش سے ہی ہو سکتا تھا تو اس میں سردار شوکت حیات کب باہر رہ سکتے تھے۔ وزیر خارجہ کے لیے اس دور میں جب ہر کہیں الاٹمنٹوں کا سلسلہ زوروں پر تھا ایک ناقابل زراعت رقبہ کو قیمتاً دلوانے میں کیا کتنا زور لگانا پڑتا اور اس سے کم تر وزارت کے پاس۔ صرف اسی بات ہی سے حقیقت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے مصنف نے قیمت اراضی کو کل رقبہ اراضی میں بدل دیا ہے یعنی اراضی ۱۰۳۴ ایکڑ ہے اور قیمت ۱۰۳۴۰ مگر مصنف مذکور نے کل اراضی کو دس ہزار ایکڑ کیا ہے۔

یہاں بے جانہ ہوگا کہ اس موقعہ پر ربوہ کے قطعہ اراضی کی فروخت کی منظوری کے بارے میں آخری مرحلہ میں پیدا ہونے والی روکاوٹ کا بھی ذکر کیا جائے جس میں حضرت نواب محمد دین صاحب ایک لمبے عرصے سے مسلسل جدوجہد میں مصروف تھے۔ جناب غلام اللہ صاحب باجوہ تحریر کرتے ہیں :-

"آخر یہ کیس کافی عرصہ کے بعد گورنر ہاؤس میں جا پہنچا جس روز فیصلہ ہونا تھا اس دن کہا گیا کہ فنانشل کمشنر نے نقشہ اراضی پیش کرنا تھا مگر وہ آج دورے پر چلے گئے ہیں اس لیے آئندہ میٹنگ پر یہ کہیں رکھا جائے۔ حضرت نواب صاحب جو پاس بیٹھے تھے انہوں نے کہا اگر چاہو تو نقشہ اراضی ہم پیش کر دیتے ہیں۔ صاحب بہادر بولے اگر ہے تو لاؤ تب آپ نے جلدی سے باہر آکر موٹر میں جو بستہ پڑا تھا اس میں سے نقشہ اراضی نکال کر صاحب بہادر کے سامنے رکھ

دیا- گورنر صاحب نے نقشہ دیکھ کر مسل پر دستخط کر دیئے"(۱۷)

رجسٹری زمین کے مراحل: ۲۷ جون ۱۹۴۸ء کو چوہدری عبدالباری صاحب مختار عام صدر انجمن احمدیہ نے زمین کی قیمت اور اخراجات رجسٹری وغیرہ کے لیے مبلغ بارہ ہزار روپیہ داخل خزانہ سرکار کروایا- بعد ازاں سرکاری سند پر فنانشل کمشنر اسسٹنٹ سیکرٹری اور ڈپٹی کمشنر کے دستخط بھی کرائے اور یوں سرکاری سعد کی رجسٹری مکمل ہوتی ہے- مورخ احمدیت کا اجمالی بیان رجسٹری کے جون ۱۹۴۸ء میں ہونے کا ہے جبکہ یہ رجسٹری متعلقہ رجسٹری کے اسٹامپ پیپر پر تحریر شدہ حقائق کے مطابق ۳۰ نومبر ۱۹۴۹ء کو جھنگ میں تکمیل کو پہنچی تھی- رجسٹری پر بطور حوالہ گورنمنٹ کی دو چٹھیوں کا نمبر درج ہے ایک کا نمبر ۲۲۵۷- سی مورخہ ۲۲ جون ۱۹۴۸ء ہے اور دوسری کا نمبر ۲۷۶۶- بی مورخہ ۲۷ ستمبر ۱۹۴۹ء ہے- اس سے عیاں ہے کہ زمین کی فروخت کی منظوری کے بعد گورنمنٹ کی طرف سے کچھ اور امور کی وضاحتیں اور منظوریاں ہوتی رہی ہیں اس لیے تو ان چٹھیوں کا فاصلہ ایک سال سے زائد ہے-

رجسٹری پر زمین کی رقم ۱۰۳۴۰ روپے تحریر ہے جو ۱۰۳۴ ایکڑ رقبہ کے حساب دس روپیہ فی ایکڑ ہے- رجسٹری پر بطور گواہ راقم الحروف کے والد مکرم چوہدری محمد عبدالغنی صاحب (مرحوم) ہیڈ کلرک دفتر آبادی ڈپٹی کمشنر جھنگ کا نام درج ہے- موصوف ۱۹۱۸ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۳۲ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی...... کے ہاتھ پر تحریری بیعت کی- وقف بعد از ریٹائرمنٹ کیا اور صدر انجمن احمدیہ پاکستان میں ناظم جائیداد کی حیثیت سے کام کیا'

حصول اراضی ربوہ کے سلسلہ میں حضرت نواب محمد دین صاحب' حضرت مرزا عزیز احمد صاحب' حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد' مکرم راجہ علی محمد صاحب سابق افسر مال' مکرم ملک عمر علی صاحب کھوکھر رئیس ملتان' مکرم شیخ محمد دین صاحب مختار عام اور مکرم عبدالغنی صاحب ہیڈ کلرک بندوبست جھنگ کی مساعی جمیلہ کا نمایاں عمل دخل رہا-(۱۸)

۲۰ ستمبر ۱۹۴۸ء کو بروز دوشنبہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی .... نے جماعت احمدیہ کے اس دور کے نئے مرکز کا افتتاح فرمایا- ۱۵- اپریل ۱۹۴۹ء کو اس نئے مرکز میں احمدیت کا پہلا جلسہ سالانہ ہوا- اور ۱۹ ستمبر ۱۹۴۹ء بروز دوشنبہ کو ہی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی........ ربوہ میں مستقل رہائش کے لیے رتن باغ لاہور سے تشریف لائے گویا یہ ہجرت کی تکمیل کا دن تھا-

فروخت زمین کا قضیہ ایک بار پھر جس گمراہ کن پراپیگنڈہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ ربوہ کی زمین کے حصول

کی ہی داستان کا ایک جزو ہے اور اس قسم کا پروپیگنڈہ ایک بار ۱۹۷۴ء میں دیکھنے میں آیا جب دوراز کار مباحث سے متاثر کرنے کے علاوہ جھنگ کے کسی غیر معروف وکیل کی طرف سے ربوہ کی زمین سستے داموں دیئے جانے کا قصہ بھی دوہرایا گیا۔ جیسے روزنامہ نوائے وقت لاہور نے اپنی ۲۰ جون ۷۴ء کی اشاعت میں ان لفظوں میں شائع کیا۔

".....ربوہ کی زمین احمدیوں کو ۱۰۴۰۳ روپے میں فروخت کرنے کے کاغذات اور معاہدات کے مسودات عدالت میں طلب کئے جائیں تاکہ عدالت یہ جان سکے کہ ان معاہدات کی کس حد تک خلاف ورزی ہو رہی ہے اور مزید برآں اس امر کی وجہ بھی معلوم ہو سکے کہ آخر ۱۰۳۳ ایکڑ ۷ کنال ۸ مرلے زمین اتنی سستی کیوں دی گئی۔" (۱۹)

اس زمین کی فروخت کے پس منظر و پیش منظر کو سمجھنے کے لئے چند دستاویزی ثبوت اہل وطن کی آگہی کے لئے پیش ہیں۔ جس امر کی طرف وکیل صاحب موصوف نے ٹریبونل کی توجہ مبذول کرائی وہ ہرگز کسی قسم کا کوئی انکشاف نہیں تھا۔ بلکہ اسی موشگافی کا اعادہ تھا۔ جو ربوہ کی زمین فروخت کئے جانے کے موقعہ بعض اخبارات مثلاً آزاد' احسان' مغربی پاکستان' اور زمیندار نے کی تھی اور اس معاملہ پر نکتہ چینی کرتے ہوئے یہاں تک لکھا تھا کہ

"کئی لوگ اس زمین کو پندرہ سو روپے فی ایکڑ کے حساب سے خریدنے پر تیار تھے۔ مگر حکومت نے ۱۰ روپے فی ایکڑ پر اتنا بڑا رقبہ احمدیوں کے حوالے کر دیا"

چنانچہ اس کذب بیانی کی تردید انہی ایام میں صدر انجمن احمدیہ کے ناظر امور خارجہ کی طرف سے کر دی گئی تھی۔ جو جماعت کے آرگن روزنامہ "الفضل" کے ان الفاظ میں شائع ہوئی تھی :۔

".....اخبار "زمیندار" نے اپنی اشاعت یکم اگست ۴۸ء میں احراری اخبار "آزاد" کے حوالہ سے ایک مقالہ افتتاحیہ سپرد قلم کیا ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ جو اراضی چنیوٹ کے قریب دس روپیہ فی ایکڑ کے حساب سے خریدی ہے۔ اس اراضی کو بعض لوگ پندرہ سو روپیہ فی ایکڑ کے حساب سے خریدنے کے لئے تیار تھے۔ اگر یہ درست ہے تو واقعی حکومت کو سخت نقصان پہنچا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ گورنمنٹ کے اس نقصان کو قطعاً برداشت نہیں کر سکتے۔ اس لئے حضور نے مجھے ہدایت فرمائی ہے کہ میں یہ پریس کمیونک جاری کروں کہ ہم یہ رقبہ جو ۱۰۳۴ ایکڑ ہے۔ مندرجہ بالا پیش کردہ قیمت پر فروخت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ علاوہ ازیں یہ وعدہ کرتے ہیں کہ اس رقم کا (جو پندرہ لاکھ اور اکاون ہزار روپیہ بنتی ہے) وصول ہوتے ہی ایک ایک روپیہ فوراً حکومت پاکستان کے خزانے میں داخل کرا دیں گے۔" (۲۰)

صدر انجمن احمدیہ کے ناظر امور خارجہ کے اس بیان کی تائید میں صوبائی حکومت نے ایک سرکاری اعلان شائع کیا۔ جو درج ذیل ہے :۔

لاہور۔(سرکاری اطلاع ۲۸-اگست ۴۸) ”بعض اخبارات میں ایک خبر چھپی ہے۔جس میں اس بات پر نکتہ چینی کی گئی ہے کہ حکومت مغربی پنجاب نے ۱۰۳۴ ایکڑ زمین ضلع جھنگ میں چنیوٹ کے قریب جماعت احمدیہ کے ہاتھ دس روپیہ فی ایکڑ کے حساب سے بیچی۔الزام یہ ہے کہ تقسیم سے پہلے بعض مسلم انجمنیں اس زمین کو پندرہ سو روپیہ فی ایکڑ کے حساب سے خریدنا چاہتی تھیں۔یہ اعتراض بھی کیا گیا ہے کہ ضلع وار آبادکاری کی تجویز کو منظور نہیں کیا گیا تو احمدیہ جماعت کو یہ موقع کیوں دیا گیا ہے کہ ایک مخصوص علاقے کو اپنی کالونی بنالے۔

یہ رپورٹ گمراہ کن اور اصلیت سے دور ہے۔جس زمین کے متعلق یہ اعتراض کیا گیا ہے۔وہ بنجر اور اسے عرصہ دراز سے زراعت کے ناقابل سمجھا گیا ہے .... اسے جماعت احمدیہ کے ہاتھ فروخت کرنے کے لئے حکومت نے اس کا اشتہار اخبارات میں دے دیا تھا۔اور پورے ایک مہینہ تک کسی شخص نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔جہاں تک قیمت کا تعلق ہے۔حکومت کو آج تک پندرہ سو روپیہ فی ایکڑ اس زمین کی قیمت کسی فرد یا کسی جماعت کی طرف سے پیش نہیں کی گئی۔چونکہ ابھی تک سکونتی اغراض کے لئے زمین بیچنے کی کوئی نظیر موجود نہیں تھی۔اس لئے حکومت نے اس کے لئے وہی شرح مقرر کی جو حکومت کے محکموں کے لئے ہے.....“ (۲۱)

جماعت احمدیہ کی بے مثال قربانی

بے آب و گیاہ زمین خرید کر بھی دراصل جماعت احمدیہ نے بے مثال قربانی کی تھی۔لیجئے اس قربانی کی روداد بھی جماعت کے امام ہی کی زبان سے سنئے۔فرماتے ہیں:۔

”......ہم نے گورنمنٹ سے اس کے خریدنے کی درخواست کی اور اس سے کہا کہ آخر آپ نے ہمیں کوئی جگہ دینی ہے اور کہیں بسانا ہی ہے۔اگر یہ جگہ مل جائے۔تو جتنے احمدی یہاں بس جائیں گے۔ان کا بوجھ گورنمنٹ پر نہیں پڑے گا۔قادیان کے باشندوں کو اگر کسی اور جگہ آباد کیا جائے تو انہیں بنی بنائی جگہیں دی جائیں گی۔لیکن اگر وہ یہاں بس جائیں تو کروڑوں کی جائیداد بچ جائے گی۔جو دوسرے مہاجرین کو دی جاسکتی ہے۔

قادیان میں دو ہزار سے زائد مکانات تھے جس میں سے بعض پچاس پچاس ہزار کے اور بعض دو دو لاکھ کے تھے لیکن اگر پانچ ہزار روپے فی کنال تک فی مکان بھی قیمت لگائی جائے تو ایک کروڑ کے مکانات قادیان میں تھے۔اور یہ قیمت صرف مکانوں کی ہے۔زمین کی قیمت اس وقت دس ہزار روپے فی کنال تک پہنچ گئی تھی۔اور پانچ سو ایکڑ کے قریب زمین مکانوں کے نیچے تھی جس کا مطلب یہ ہوا کہ چالیس ہزار کنال زمین پر مکانات بنے ہوئے تھے۔اگر پانچ ہزار روپے فی کنال ہی قیمت لگادی جائے تو اس کے یہ معنے ہوں گے کہ دو کروڑ روپے کی زمین تھی جس پر مکانات بنے ہوئے تھے۔گویا

تین کروڑ کے قریب مالیت کے مکانات قادیان والے چھوڑ کر آئے ہیں۔

اگر لاہور۔ لائلپور۔ سرگودھا وغیرہ اضلاع میں قادیان کے لوگوں کو بسایا جائے۔ تو پھر وہاں زمین اور مکانات کی قیمتیں قادیان کی زمین اور مکانات سے بڑھ کر ہوں گی۔ اگر احمدیوں کو یہ جگہ دی جائے اور وہ وہاں بس جائیں۔ تو قریباً چار کروڑ کی جائیداد چ جاتی ہے۔"(۲۲)

اس تحریر سے تو واضح ہے۔ کہ حکومت نے دراصل یہ زمین احمدیوں کے ہاتھ چار کروڑ سے بھی زیادہ مالیت میں فروخت کی۔ جسے کسی جہت سے بھی سستا نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ یہ سودا احمدیوں کو گراں ترین پڑا ہے۔ یہ وہ حقائق و شواہد ہیں' ربوہ کی زمین کے حصول کے جہاں وہ مرکز بنا جو ہر آن دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شوکت کے ظہور کے لئے ہے اور ہر احمدی کے دل کی گہرائی سے یہ آواز آتی ہے۔

ربوہ رہے کعبہ کی بڑائی کا دعا گو کعبہ کی پہنچتی رہیں ربوہ کو دعائیں

مآخذ

خطبہ جمعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی فرمودہ ۱۰ ستمبر ۱۹۴۸ء بمقام رتن باغ لاہور۔ مطبوعہ روزنامہ الفضل لاہور ۲۸ ستمبر ۱۹۴۸ء (۲) اردو ترجمہ درخواست مورخہ ۱۷۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء مطبوعہ تاریخ احمدیت جلد ۱۱ صفحہ ۲۹۰ (۳) تذکرہ صفحہ ۲۷۷ مطبوعہ الشرکتہ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ ۱۹۶۹ء (۴) اور ریویو آف ریلیجنز اردو جلد ۱۳ نمبر ۴ ماہ جون ۱۹۱۴ء صفحہ ۲۲۳ "ربوہ" مرتبہ کیپٹن ملک خادم حسین صاحب (۵) اخبار بدر جلد نمبر ۱ نمبر ۲۳ ۷۔ ستمبر ۱۹۰۵ء (۶) خطبہ جمعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ۱۰ ستمبر ۱۹۴۸ء (۷) یادداشت چوہدری عزیز احمد صاحب باجوہ مورخہ ۲۵-۹-۴۷ مطبوعہ تاریخ احمدیت جلد ۱۱ صفحہ ۲۸۲ تا ۲۸۴ (۸) مضمون حضرت المصلح الموعود کی اولوالعزمی کا ایک زندہ نشان۔ ربوہ۔ روزنامہ الفضل ربوہ مورخہ ۷ جون ۱۹۶۴ء صفحہ ۵ (۹) مضمون "ربوہ میں پہلا دن" چوہدری ظہور احمد صاحب (ناظر دیوان) مشمولہ کتاب عالمگیر جماعت احمدیہ کا مقدس مرکز۔ ربوہ" صفحہ ۱۰۳-۱۰۴۔ (۱۰) روایت جناب پروفیسر راجہ نصر اللہ خان صاحب پرنسپل سکول ہیون ہاؤس دار الصدر ربوہ۔ (۱۱) حوالہ ماسبق زیر نمبر ۸ (۱۲) باجوہ خاندان مصنفہ چوہدری غلام اللہ باجوہ صاحب صفحہ ۵۹-۶۰ مطبوعہ جنوری ۱۹۸۹ء (۱۳) تاریخ احمدیت جلد نمبر ۱۲ صفحہ ۲۹۱ (۱۴) ایضاً صفحہ ۲۹۲ (۱۵) حوالہ ماسبق زیر نمبر ۱ (۱۶) تاریخ جھنگ مصنفہ بلال زبیری صفحہ ۴۵۰ ادبی اکادمی اعوان منزل جھنگ صدر (۱۷) حوالہ ماسبق زیر نمبر ۱۲ صفحہ ۴۰ (۱۸) تاریخ احمدیت جلد نمبر ۱۲ صفحہ ۲۹۲ (۱۹) روزنامہ نوائے وقت ۲۰ جون ۱۹۷۴ء (۲۰) روزنامہ الفضل ۴ اگست ۱۹۴۸ء (۲۱) روزنامہ انقلاب ۳۱ اگست ۱۹۴۸ء (۲۲) روزنامہ الفضل ۲۸ ستمبر ۱۹۴۸ء

دیوانوں کی بستی

(ایک طویل نظم سے منتخب اشعار)

بنا محمود نے رکھی براہیمی دعاؤں سے
ہلایا عرش اعظم کو تڑپتی التجاؤں سے
خزاں تقدیر ویرانہ جو تھا محروم چھاؤں سے
وہاں پھوٹے ہیں چشمے حضرتِ اقدس کے "پاؤں" سے
عدم کی رات میں ابھرا کوئی خورشید ہستی ہے
یہ دیوانوں کی بستی ہے یہ دیوانوں کی بستی ہے

حیاتِ نَو کا میخانہ' تمدن کا یہ گہوارہ
زمیں کی گود میں اترا ہے یہ جنت کا نظارہ
یہی ہے قسمتِ اقوام کا روشن جبیں تارہ
یہی شیرازۂ نَو ہے پۓ اوراق آوارہ
رخِ ابلیس پر گویا یہ بیّن پیش دستی ہے
یہ دیوانوں کی بستی ہے یہ دیوانوں کی بستی ہے

اسی ربوہ کی گودوں میں مجاہد دیں کے پلتے ہیں
کہ جن کو دیکھ کر دل فوجِ باطل کے دہلتے ہیں
محبت کے شرارے ظلمتوں کے رخ بدلتے ہیں
انہیں کے سوز سے لاکھوں دلوں کے دیپ جلتے ہیں
یہ اس دورِ ضلالت میں چراغِ حق پرستی ہے
یہ دیوانوں کی بستی ہے، یہ دیوانوں کی بستی ہے

فضائے عشق افزا، روح پرور دل لبھاتی ہے
کشش ربوہ کی ہر خطے سے انساں کھینچ لاتی ہے
نگاہِ میرزا صدیوں کے مُردوں کو جلاتی ہے
مسیحا کے نفس سے تازگی چہروں پہ آتی ہے
دیارِ ابنِ مہدی میں عجب رحمت برستی ہے
یہ دیوانوں کی بستی ہے، یہ دیوانوں کی بستی ہے

عبدالسلام اسلام

حضرت نواب محمد الدین صاحب

ایک صاحب عزم وہمت اور جاں نثار خادم سلسلہ

از: ایڈیٹر

"....... ہمارے جدید مرکز کے قیام کا سہرا یقیناً نواب محمد الدین صاحب مرحوم کے سر ہے اور یہ عزت اور یہ رقبہ انہی کا حق ہے .... وہ پیچھے آئے اور آگے گزر گئے.."
(حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود......)

جب تک دنیا قائم ہے جماعت احمدیہ کا مرکز ثانی بھی قائم رہے گا اور اس کے ساتھ حضرت نواب محمد الدین صاحب مرحوم کا نام بھی زندہ رہے گا- آپ پیچھے آئے اور کئی لوگوں سے آگے بڑھ گئے- آپ کی انتھک جدوجہد' محنت اور جفاکشی' بڑھاپے میں آرام و آسائش کو تج کرنے کا اعلیٰ نمونہ بہت کم نظر آتا ہے- اس اہم شخصیت کا کچھ ذکر ہدیہ قارئین کیا جارہا ہے-

حضرت نواب محمد الدین صاحب کا خاندان مولد و مسکن

حضرت نواب محمد الدین صاحب کا تعلق سیالکوٹ کے مردم خیز خطہ سے ہے- آپ کا گاؤں قصبہ پسرور کے قریب بطرف جنوب تلونڈی عنایت خاں ہے- آپ کے والد ماجد چوہدری صوبے خاں باجوہ اس گاؤں کی ایک معزز شخصیت تھے جن کا انتقال ۴۸ سال کی عمر میں ہوگیا-(۱)

آپ کا خاندان اسلامی سرشت رکھنے والا اور شرعی احکامات کا پابند تھا اللہ تعالیٰ نے اس خاندان کو دینی اور دنیوی انعامات سے نوازا- بڑے بڑے دین کے خادم اور صاحب وجاہت افسر اس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں- مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی نہایت مخلص اور سلسلہ احمدیہ کے لئے قربانیاں دینے والی ہیں-

آپ کی ولادت اور تعلیم

آپ کی ولادت مذکورہ گاؤں میں ۷-۲ اکتوبر ۱۸۷۲ء کو ہوئی- ابتدائی تعلیم نوشہرہ (ککے زئیاں) میں مکمل کی- اس کے بعد آپ نے سیالکوٹ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا- چنانچہ اپنے خود نوشت حالات میں لکھا ہے :-

"میں ۱۸۸۹ء میں سیالکوٹ ہائی سکول میں پڑھتا تھا۔ اسی سکول میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مدرس تھے۔ میں عموماً ہر روز عصر کے بعد مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ آپ اکثر ایسے وقت میں...... والد ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کی دوکان پر یا میاں مولا بخش بوٹ فروش کی دوکان پر ملتے تھے۔" (۲)

ملازمت۔ڈپٹی کمشنر اور ریاستوں کی وزارت کے عہدہ تک

حضرت نواب محمد الدین صاحب کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ "جب آپ تعلیم سے فارغ ہوئے تو نائب تحصیلدار بھرتی ہو گئے۔ اور ڈپٹی کمشنر کے عہدہ تک پہنچے۔" (۳)

آپ مزید لکھتے ہیں: "سیالکوٹ سکول سے فارغ ہو کر میں اسی ضلع کے بندوبست میں ٹریننگ پر تحصیل ظفروال میں تعینات ہوا...... ظفروال میں حافظ فصیح الدین صاحب تحصیلدار تھے" (۴)

حضرت نواب صاحب کی ذہانت اور دیانت کو مدنظر رکھتے ہوئے گورنمنٹ نے کئی دوسرے عہدوں پر بھی آپ کو تعینات کیا۔ چنانچہ بعض جھگڑوں کے تصفیہ کے لئے بطور ثالث اور قحط اور خشک سالی کے ایام میں راشن تقسیم کی ڈیوٹی بھی لگائی جاتی رہی۔ آپ ۱۹۲۷ء یا ۱۹۲۸ء میں ضلع شیخوپورہ سے ڈپٹی کمشنر کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے اس کے بعد آپ کو نواب آف مالیر کوٹلہ کی خواہش پر خزانہ اور مال کی ذمہ داری سونپی گئی۔ مالیر کوٹلہ میں ہی ۱۹۳۰ء میں کونسل آف سٹیٹ کے الیکشن میں حصہ لیا اس طرح آپ پنجاب کے اٹھارہ ضلعوں کی طرف سے منتخب ہو گئے اور اس منصب پر ۱۹۳۶ء تک کام کیا۔ ریاست جے پور میں ستمبر ۱۹۳۱ء سے محکمہ پولیس، ہسپتال اور پرانے قلعوں کی نگرانی کے فرائض ادا کئے۔ بعد میں ریونیو کا محکمہ آپ کے سپرد ہوا۔ ۱۹۲۵ء میں آپ انگلستان بھی تشریف لے گئے۔

ستمبر ۱۹۳۵ء میں آپ ریاست جودھپور میں تشریف لے گئے۔ اور دسمبر ۱۹۴۰ء میں جودھپور سے فارغ ہو کر قادیان آگئے۔ ۱۹۴۱ء تا اگست ۱۹۴۷ء کے دوران صحت افزاء مقامات سری نگر، گلمرگ، ڈلہوزی شادباغ، ڈیرہ دون منصوری اور بجروٹہ میں تشریف لے جاتے رہے۔ (۵)

قبول احمدیت

آپ کے والد ماجد کی وفات حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ سے قبل ہی ہو گئی تھی۔ آپ کی والدہ ماجدہ آپ کے چاروں بھائیوں حضرت چوہدری محمد حسین صاحب، چوہدری غلام حسن صاحب، چوہدری غلام علی صاحب، چوہدری غلام سرور صاحب اور آپ کے بیٹے چوہدری محمد شریف صاحب ایڈووکیٹ (سابق امیر جماعت احمدیہ ضلع منٹگمری حال ساہیوال) کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے ۱۹۲۹ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی...... کے ہاتھ پر قبول احمدیت کی توفیق پائی۔ آپ

گیا- میں نے کہا میں تو پہلے سمجھتا تھا کہ سچی احمدیت چھپی نہیں رہتی آپ خواہ کتنا بھی چھپائیں یہ ظاہر ہو کر رہے گی-"(۸)

آپ کی خدمات جلیلہ قادیان سے ہجرت اور مرکز سلسلہ کے قیام' زمین کے انتخاب' اس کی خرید کیلئے ہزاروں میل کا سفر اور بالآخر ۱۰۳۴ ایکڑ کا غیر زرعی بنجر رقبہ حاصل کرنے کی جدوجہد غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے- اور یہ خدمات سنہری حروف سے رقم کی جارہی ہیں- آنے والی ہر نسل حضرت نواب صاحب کی ان مایہ ناز قربانیوں کو یادرکھے گی-

(نوٹ) اس بارہ میں ایک اور مفصل مضمون اسی شمارہ میں شامل اشاعت ہے جس میں آپ کی مثالی خدمات کا ذکر کیا گیا ہے-

نواب صاحب کے ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا سفر مرکز سلسلہ کے لئے زمین کے انتظامات کے بعد حضرت نواب صاحب مرکز کو آباد کرنے کے لئے جدوجہد میں مصروف تھے- حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود....... نے ایک لمبا سفر حضرت نواب صاحب کی معیت میں کیا چنانچہ ۴ جنوری ۱۹۴۸ء کو لاہور سے گوجرانوالہ' گجرات' کھاریاں اور جہلم راولپنڈی تشریف لے گئے- دو تین روز بعد واپس آئے- ۱۱ جنوری ۱۹۴۸ء کو سیالکوٹ بھی تشریف لے گئے واپسی پر اپنے ہوائی جہاز پر لاہور تشریف لائے(۹)

حضرت نواب صاحب کی وفات اور اولاد ۲۰ ستمبر ۱۹۴۸ء کو مرکز ربوہ کا سنگ بنیاد ابراہیمی اور اسمٰعیلی دعاؤں کے ساتھ رکھا گیا- اور اس بے آب وگیاہ سنگلاخ اور بنجر زمین میں عشاق احمدیت دھونی رما کر بیٹھ گئے- حضرت نواب صاحب تعمیر مرکز میں مسلسل مصروف رہے- جون ۱۹۴۹ء میں آپ تبدیلی ہوا کے لئے مری تشریف لے گئے اور ۵ جولائی ۱۹۴۹ء کو چند گھنٹے کی علالت کے بعد ۹ بجے رات انتقال فرماگئے- آپ کا جنازہ پہلے آپ کے گاؤں تلونڈی عنایت خاں ضلع سیالکوٹ لے جایا گیا جہاں ۶ جولائی کو امانتاً تدفین ہوئی- بعد ازاں ۲۷ دسمبر ۱۹۵۵ء کو تابوت ربوہ لایا گیا اور بہشتی مقبرہ میں تدفین ہوئی-

اللہ تعالیٰ نے حضرت نواب صاحب کو تین بیٹوں اور دو بیٹیوں سے نوازا جن کے اسماء یہ ہیں- چوہدری محمد شریف ایڈووکیٹ..... سابق امیر جماعت احمدیہ (منٹگمری) ساہیوال- چوہدری محمد سعید صاحب مرحوم زمیندار حیدر آباد سندھ- چوہدری محمد نقی صاحب مرحوم بار ایٹ لاء لاہور- محترم شریفاں بی بی صاحبہ زوجہ چوہدری محمد لطیف صاحب ریٹائرڈ جج- محترمہ مجیدہ بیگم صاحبہ زوجہ چوہدری محمد شاہنواز صاحب مرحوم لندن(۱۰)

کو شروع سے ہی حضرت اقدسؑ کے ساتھ حسن ظن تھا۔ چنانچہ اپنے بیٹوں کی بیعت کو اچھی نگاہ سے دیکھا۔ تاہم حضرت نواب صاحب کی بیعت میں آپ کے چھوٹے بھائی حضرت چوہدری محمد حسین صاحب وغیرہ کے تقویٰ اور نیکی کا بہت دخل تھا۔(۶)

حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے ساتھ حضرت نواب صاحب کی حسن عقیدت ابتدا سے ہی تھی۔ ۱۸۹۶ء میں اسلامی اصول کی فلاسفی کے مضمون اور بعد میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کی خط و کتابت کا آپ پر گہرا اثر تھا۔ الحکم' البدر کے آپ خریدار رہے۔ ۱۹۰۶ء میں آپ نے حضرت میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر فاروق کے ساتھ اپنے بیٹے چوہدری محمد شریف صاحب ایڈووکیٹ (جو اس وقت طالب علم تھے) کو بھی جلسہ سالانہ قادیان پر بھیج دیا جہاں انہیں حضور اقدسؑ کی بیعت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ چندہ جات اور مالی قربانیوں میں حصہ لیتے رہے مگر آپ کو آخر دم تک اس بات کا قلق رہا کہ حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ کے مقدس رفقاء کی صف میں شامل ہونے سے کیوں محروم رہے۔(۷)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی...... کا آپ کی بیعت کا ذکر کرنا

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی...... نے حضرت نواب صاحب کی بیعت کا ذکر یوں فرمایا ہے :۔

" غالباً ۱۹۲۹ء میں انہوں نے بیعت کی ہے۔ مجھے یاد ہے جب انہوں نے بیعت کی تو ساتھ یہ درخواست کی کہ میری بیعت ابھی مخفی رہے۔ انہوں نے کہا میں ریٹائر ہو چکا ہوں اور اب ملازمتیں ریاستوں میں ہی مل سکتی ہیں اس لئے اگر میری بیعت ظاہر نہ ہو تو ملازمت حاصل کرنے میں سہولت رہے گی۔ جب وہ ہمارے سلسلہ میں داخل ہوئے ہیں اس وقت وہ...... ملازم تھے۔ بیعت کر کے...... شملہ چلے گئے۔ میں بھی چند دنوں کے لئے شملہ گیا اور انہوں نے مجھے دعوت پر بلایا اور کہا کہ اور تو میں کوئی خدمت نہیں کر سکتا لیکن یہ کر سکتا کہ دعوت پر بڑے بڑے آدمیوں کو بلالوں اور آپ کا واقف کرادوں اور مجھے ثواب مل جائے گا۔ میں دعوت پر چلا گیا۔ انہوں نے بڑے بڑے آدمی بلائے ہوئے تھے۔ میں اس انتظار میں تھا کہ کوئی اعتراض کرے اور میں اس کا جواب دوں کہ وہ کھڑے ہو گئے اور حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے تقریر میں انہوں نے کہا یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ امام جماعت احمدیہ یہاں تشریف لائے ہیں۔ جو شخص کسی قوم کا لیڈر ہوتا ہے ہمیں اس کا احترام کرنا چاہیئے۔ وہ ہمیں دین کی باتیں سنائیں گے خواہ ہم مانیں یا نہ مانیں ان سے ہمیں فائدہ پہنچے گا اس طرح تھوڑی دیر وہ تقریر کرتے رہے۔ وہ تین منٹ کے بعد وہ تقریر کرتے ہوئے یکدم جوش میں آگئے اور کہنے لگے اس زمانہ میں ایک شخص آیا اور وہ کہتا ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوں اگر آپ لوگ اس کو نہیں مانیں گے تو آپ پر خدا تعالیٰ کا عذاب آجائے گا۔ جب وہ تقریر کر کے بیٹھ گئے تو میں نے کہا۔ دیکھئے نواب صاحب میں نے تو ظاہر نہیں کیا کہ آپ احمدی ہیں آپ نے تو خود ظاہر کر دیا ہے وہ کہنے لگے مجھ سے رہا نہیں

حضرت نواب صاحب کے اوصاف جمیلہ حضرت نواب صاحب اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز تھے مگر آپ کی فطرت سعیدہ میں نیکی اور تقویٰ ودیعت ہوا تھا- آپ نہایت عابد وزاہد تھے- باقاعدہ نماز تہجد ادا کرتے- قرآن کریم ہمیشہ ساتھ رکھتے اور تلاوت کے ساتھ تدبر و تفکر بھی کرتے ہمیشہ محنت اور دیانت سے فرائض سرانجام دیتے رہے- غرباء کی امداد ضرورت مندوں کی ضرورتیں پورا کرنا اور مہمان نوازی آپ کا خاص شغف تھا- صاحب رویاء بزرگ تھے- سلسلہ احمدیہ کے ساتھ بڑے اخلاص اور جاں نثاری کا تعلق تھا-

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود........ نے حضرت نواب صاحب کی اعلیٰ خدمات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے جدید مرکز کے قیام کا سہرا یقیناً نواب محمد الدین صاحب مرحوم کے سر پر ہے اور یہ عزت اور رتبہ انہی کا حق ہے- جب تک یہ جماعت قائم رہے گی لوگ ان کے لئے دعا بھی کریں گے اور ان کی قربانی کو دیکھ کر نوجوانوں کے دلوں میں یہ جذبہ بھی پیدا ہوگا کہ وہ ان جیسا کام کریں- کجا ایک بوڑھا بیمار کمزور آدمی اور کجا اس کی یہ حالت کہ وہ دن کو بھی وہاں موجود ہے رات کو بھی وہاں موجود ہے اور رپورٹیں پیش کر رہا ہے-..... وفات سے دس دن پہلے انہوں نے مجھے لکھا کہ اب ربوہ میں تعمیر کا کام شروع ہونے والا ہے اور چونکہ یہ کام نگرانی چاہتا ہے اور میری صحت ٹھیک ہوگئی ہے اس لئے میرا ارادہ ہے کہ میں ربوہ چلا جاؤں اور کام میں مدد دوں- غرض ہر کارے ہر مردے سینکڑوں کام ہوتے ہیں- لیکن بہت برکت والا ہے وہ آدمی جس سے کوئی ایسا کام ہو جائے جو اپنے اندر تاریخی عظمت رکھتا ہو- میں سمجھتا ہوں کہ اس کام کا ان کے ہاتھ سے ہونا ان کی کسی بہت بڑی نیکی کی وجہ سے تھا اور میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ پیچھے آئے اور آگے گزر گئے......"

نیز فرمایا: "...... یہ موقع انہیں ایسا ملا کہ جب تک یہ مرکز قائم رہے گا ان کا نام بطور یادگار دنیا میں لیا جائے گا ...." (۱۱)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود........ اس عظیم الشان مرکز کی اہمیت اور حضرت نواب صاحب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "اول تو ہمیں ایک ہی وقت میں کئی مرکزوں کی ضرورت ہے- دوسرے یہ مرکز ایک پیشگوئی کے ماتحت قائم کیا جا رہا ہے اور جو مرکز پیشگوئی کے ماتحت قائم کیا جائے اس میں اور دوسرے مرکزوں میں بہرحال امتیاز ہوتا ہے یہ مقام چونکہ اللہ تعالیٰ کی پیشگوئی کے ماتحت قائم کیا جا رہا ہے اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے فرشتے اس کی حفاظت کریں گے اور اس کی برکتیں اس سے وابستہ رہیں گی اور یقیناً اس مقام سے تعلق رکھنے کی وجہ سے نواب صاحب مرحوم کا نام بھی قیامت تک قائم رہے گا-" (۱۲)

حوالہ جات (۱) کتاب ربوہ از کیپٹن ملک خادم حسین صاحب و باجوہ خاندان از غلام اللہ باجوہ صاحب صفحہ ۳۴ و ۳۹ (۲) باجوہ خاندان صفحہ ۸۷ (۳) ایضاً صفحہ ۴۰ (۴) ایضاً ۸۶ (۵) ایضاً صفحہ ۴۱ تا ۵۶ (خلاصہ) (۶) ایضاً ۷۱ (۷) ایضاً ۸۶ تا ۹۴ خلاصہ (۸) خطبہ جمعہ مطبوعہ الفضل ۳۱ جولائی ۱۹۴۹ء (۹) باجوہ خاندان صفحہ ۶۱ (۱۰) ایضاً صفحہ ۶۱ (۱۱-۱۲) الفضل ۳۱ جولائی ۱۹۴۹ء

امراض قلب سے محفوظ رہنے کے لئے معمولات زندگی

ہماری LIFE STYLE میں تبدیلی کی ضرورت ہے

انصار اللہ کی عمر ایک سنہری دور ہے۔ بہترین صلاحیتوں کا زمانہ ہے

معروف فزیشن ڈاکٹر لطیف احمد قریشی صاحب ایف۔ آر۔ سی۔ پی۔ ماہر امراض قلب کا انٹرویو

(مسلسل از شمارہ اگست ۲۰۰۰ء)

غذا اور معمولات زندگی

مکرم ایڈیٹر صاحب کے ایک سوال کہ علاج کے علاوہ وہ کیا طریقے ہیں جن کے ذریعہ امراض قلب پر قابو پایا جا سکتا ہے؟ مکرم ڈاکٹر قریشی صاحب نے بتایا کہ

یہ بہت اہم سوال ہے اور اس کے متعلق ہمارے احباب اور خاص طور پر انصار اللہ کی عمر کے احباب کو معلومات ہونی چاہئیں آپ نے بتایا کہ موجودہ زمانے کا طرز زندگی دل کی بیماریوں میں ترقی کا باعث بنا ہے چنانچہ آج کل ہماری غذائیں صحت کے لئے مفید نہیں اور پھر ہمارے روز مرہ کے معمولات بھی امراض قلب کا باعث ہیں۔ اس کے علاوہ ہماری بعض عادتیں دل کی خون کی نالیوں کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ اور بعض قسم کی بیماریاں بھی ہیں جو کہ خون کی نالیوں کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ تو یہ چیزیں ہیں کہ ہم ان کے بد اثرات سے بچیں تو STOMIC HEART DISEASES سے نجات مل جاتی ہے۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ قرآن و حدیث نے غذاء اور دیگر انسانی معمولات کے متعلق جو ہدایت ہمیں دی ہیں۔ اگر ان پر عمل کیا جائے تو انسان نہایت صحت مند زندگی گزار سکتا ہے۔ اور ان عوارض سے بچ سکتا ہے۔ سب سے پہلے ہماری غذا ہے اور اس میں سب سے اہم بات غذا کی مناسب اور موزوں مقدار ہے۔ یعنی اس کی مقدار نہ تو زیادہ ہو اور نہ ہی بہت کم ہو۔ بلکہ خوراک سے جتنا وزن صحیح سطح پر رہے گا اتنا ہی دل کی بیماریوں اور دوسری بیماریوں سے بچا رہے گا۔ موٹاپا دل کی بیماریوں کے پیدا کرنے کی بہت بڑی وجہ بنتا ہے تو اس سے بچنے کے لئے چربی والی چیزیں گھی اور دوسری موٹاپا پیدا کرنے والی اشیاء مثلاً چینی' چاول اور نشاستے دار چیزوں کا استعمال کم ہونا چاہیئے تازہ سبزی کا زیادہ استعمال 'گوشت کا کم استعمال انسانی صحت کے لئے مفید ہے۔ اس کے نتیجے میں جسم کا وزن درست رہتا ہے اور جسم کے اندر چربی اور دوسری مضر چیزوں کی مقدار

کم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر ہم بھوک رکھ کر کھائیں کم کھائیں اور صحیح اور تازہ غذا کھائیں تو اس سے ہمارا مقصد پورا ہو جائے گا۔ پھر معمولات کے متعلق یاد رکھنا چاہئے کہ سگریٹ نوشی کی عادت بڑی نقصان دہ ہے۔ آج سے کچھ عرصہ پہلے مغربی دنیا کے ڈاکٹروں کو پتہ چلا کہ بہت ساری بیماریاں سگریٹ نوشی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ چنانچہ بڑی مہم چلائی گئی اور امریکہ' انگلستان اور یورپ کے دیگر ملکوں میں سگریٹ کے اشتہارات کو روک دیا گیا اسی طرح ٹیلی ویژن اور ریڈیو پر اشتہار نہیں آتے' بڑے بڑے پوسٹروں والے اشتہارات نہیں لگتے۔ ٹرین' بس' ہوائی جہاز میں اور جہاں پر پبلک سفر کرتی ہے نیز ہوٹلوں اور ہسپتالوں میں سگریٹ نوشی قطعی طور پر ممنوع ہے۔ ہمارے ہاں ابھی تک اس طرف توجہ نہیں ہے۔ جبکہ سگریٹ نوشی کی وجہ سے دل کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سگریٹ کا ایک کش بھی لیا جائے تو فوری طور پر وہ دل کی خون کی نالیوں کو متاثر کرتا ہے۔ اور ان کا سائز کم ہو جاتا ہے۔ سگریٹ میں کئی قسم کے کیمیکلز جسم کو متاثر کرتے ہیں۔ پھر اس میں ایک نشہ آور چیز ہے کہ اس کے نشے کی وجہ سے ایک سگریٹ نوش اس کو چھوڑ نہیں سکتا اور وہ نکوٹین ہے جو تقریباً شراب یا افیون کی طرح نشہ آور ہے اور اس کے نتیجے میں مریض کو سگریٹ نوشی چھوڑتے وقت گھبراہٹ ہوتی ہے اور اس کی کوشش ہوتی ہے کہ دوبارہ سگریٹ پئے۔ یہ نشہ قریباً ہفتہ اور دس دن تک جسم کے اندر رہتا ہے۔ اور اس کے بعد پھر اس کا اثر ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے سگریٹ نوشی ترک کرتے وقت صبر کرنا پڑتا ہے اگر ہفتہ دس دن وقت گزر جائیں تو پھر آہستہ آہستہ اس کی CRAZING ہوتی ہے جس کو ہم DEMAND کہتے ہیں۔ اگر تو سگریٹ نوشی سے بچا رہے تو بیماری سے بھی محفوظ رہ سکتا ہے۔ تیسری چیز زندگی کے معمولات ہیں زندگی کے معمولات کو درست کر لیا جائے اور ان میں اسلامی طریقوں کو اختیار کیا جائے تو دل کی بیماریوں بلکہ اور بہت سی دوسری بیماریوں سے بھی انسان محفوظ ہو جاتا ہے۔ یہ LIFE STYLE ہے جس میں ایک چیز تو سونے اور جاگنے کا معمول ہے۔ آج کل کا طرز زندگی یہ ہے کہ بعض دفعہ لوگ بارہ بارہ بجے تک ٹیلی ویژن دیکھتے رہتے ہیں دوسری مجالس میں رات گئے تک بیٹھے رہتے ہیں۔ اور پھر جب سوتے ہیں تو ان کی نیند پرسکون نہیں ہوتی اور جب وہ اٹھتے ہیں تو دن کے آٹھ نو بجے اٹھتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ایک خاص قسم کی سستی اور فربہی پیدا ہوتی ہے جو کہ سخت مضر ہے۔ تو اصول یہ ہونا چاہئے کہ رات کو جلدی سویا جائے۔ شروع رات کی نیند بہت گہری ہوتی ہے اور اس کے نتیجے میں انسان کو بہت آرام ملتا ہے۔ اگر مختصر نیند بھی اس کو مل جائے تو جب وہ اٹھے گا تو اپنے آپ کو تازہ دم محسوس کرے گا۔ اس کے بعد اگر وہ کچھ سیر اور ورزش کرے تو اس کے نتیجے میں دوران خون کی حرکت بہتر ہو گی اور گندے فاسد مواد تیزی سے خارج ہوں گے صبح کے وقت جب ہوا زیادہ صاف ستھری اور آکسیجن سے بھرپور ہوتی ہے تو یہ ہوا اس کے لئے بہتر ہوتی ہے اس سیر اور ہلکی پھلکی ورزش کے

نتیجے میں دل کی حرکت تھوڑی سی تیز ہوتی ہے اور دل کے اندر دوران خون بہتر گردش کرتا ہے جس کے نتیجے میں اگر خون کی نالیاں تنگ ہو رہی ہیں یا اتنی صاف ستھری نہیں تو وہ دوران خون کے نتیجے میں نئی نالیاں پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہیں اس طرح دل صحت مند رہتا ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ انصار اللہ کی بڑی عمر کے افراد کو ضرورت سے زیادہ تیزی نقصان پہنچاتی ہے مثلاً یہ کہ اچانک دوڑنا یا اچانک زیادہ بوجھ اٹھانا بعض دفعہ زیادہ عمر میں بجائے فائدہ دینے کے مضر ہوتا ہے۔ ورزش کے معاملہ میں یہ بات یاد رکھنی چاہئے ورزش تھوڑی مقدار میں شروع کریں، شروع میں چہل قدمی کے عادی ہو جائیں تو اس کا وقت بڑھا دیں چہل قدمی کے سلسلے یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ بالکل آہستہ چلنا یعنی خراماں خراماں چلنا اتنا مفید نہیں جتنا ایک مناسب تیز رفتاری میں چلنا جیسا کہ فوج کے سپاہی QUICK MARCH کرتے ہیں اور اس دوران کسی قسم کی تکلیف محسوس ہو مثلاً سینے میں درد ہو یا سانس زیادہ چڑھے یا کوئی اور تکلیف محسوس ہو تو پھر ڈاکٹر سے رجوع کرنا چاہئے۔

امراض قلب کے نتیجہ میں مزید بیماریاں

امراض قلب کے نتیجے میں کون سی مزید بیماریاں لاحق ہو سکتی ہیں؟ مکرم قائد صاحب کے اس سوال کے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ

جسم میں دل کو مرکزی حیثیت ہے۔ اور وہ اس لحاظ سے کہ دل تمام جسم میں خون فراہم کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور یہ خون کے لئے نقل و حمل کا وسیلہ ہے جس کے ذریعے سے آکسیجن جزو بدن بنتی ہے جسم میں زہریلے مادے خون سے زائل ہوتے ہیں۔ اگر دل کی بیماری ہو تو ہر قسم کے عوارض پیدا ہو سکتے ہیں۔ سانس کی تکلیف ہے۔ کیونکہ جب خون پورے طور پر گردش نہیں کرتا تو وہ بعض جگہوں پر جمع ہو کر دباؤ ڈالتا ہے۔ اگر پھیپھڑوں میں جمع ہو جائے تو پھیپھڑے پورے طور پر کام نہیں کرتے ہوا پورے طور پر اندر داخل نہیں ہو سکتی۔ اور انسان کو سانس چڑھنے کا مرض لاحق ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سے بعض لوگوں کو جسم میں سوجن پڑ جاتی ہے۔ پیٹ اور پاؤں اسی طرح جسم کے دوسرے حصوں میں سوجن ہو جاتی ہے خصوصاً جن حصوں میں دوران خون کم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ دل کی بیماری کی وجہ سے کمزوری محسوس ہوتی ہے اور اکثر مریض اس کا اظہار کرتے ہیں۔ جس وقت دل کی بیماری کنٹرول ہوتی ہے تو یہ کمزوری از خود دور ہو جاتی ہے۔ پھر ایک تکلیف دل کی دھڑکن میں تبدیلی واقع ہونے کی ہے۔ بعض دفعہ اچانک دل کی دھڑکن بہت آہستہ ہو جاتی ہے۔ بعض دفعہ اچانک دھڑکن تیز ہو جاتی ہے اور اس کے نتیجے میں خون جو پہلے ہی صحیح طور پر گردش نہیں کر رہا ہوتا وہ اور بھی کم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بعض مریض اس وجہ سے اچانک بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ اور لوگ سمجھتے ہیں کہ اس کو مرگی کا دورہ پڑ گیا ہے۔ یا بعض سمجھتے ہیں کہ اس کو فالج ہو گیا

ہے جبکہ وجہ یہ ہوتی ہے کہ دل کی دھڑکن بہت کم ہو گئی اور اس کے نتیجے میں دماغ کو پورا خون نہیں پہنچتا۔ اس کا علاج یہ ہے کہ جسم کے اندر ایسا آلہ فٹ کیا جاتا ہے جس سے دل کی دھڑکن کو کنٹرول کیا جاتا ہے اس کے علاوہ بعض دفعہ دوسری بیماریاں ہوتی ہیں جو دل کے امراض کی وجہ بن جاتی ہیں۔ ذیابیطس کی بیماری ہے۔ اسی طرح خون کے دباؤ کے بڑھنے کی وجہ سے ہائی بلڈ پریشر ہے۔

انصار اللہ کی عمر کی اہمیت

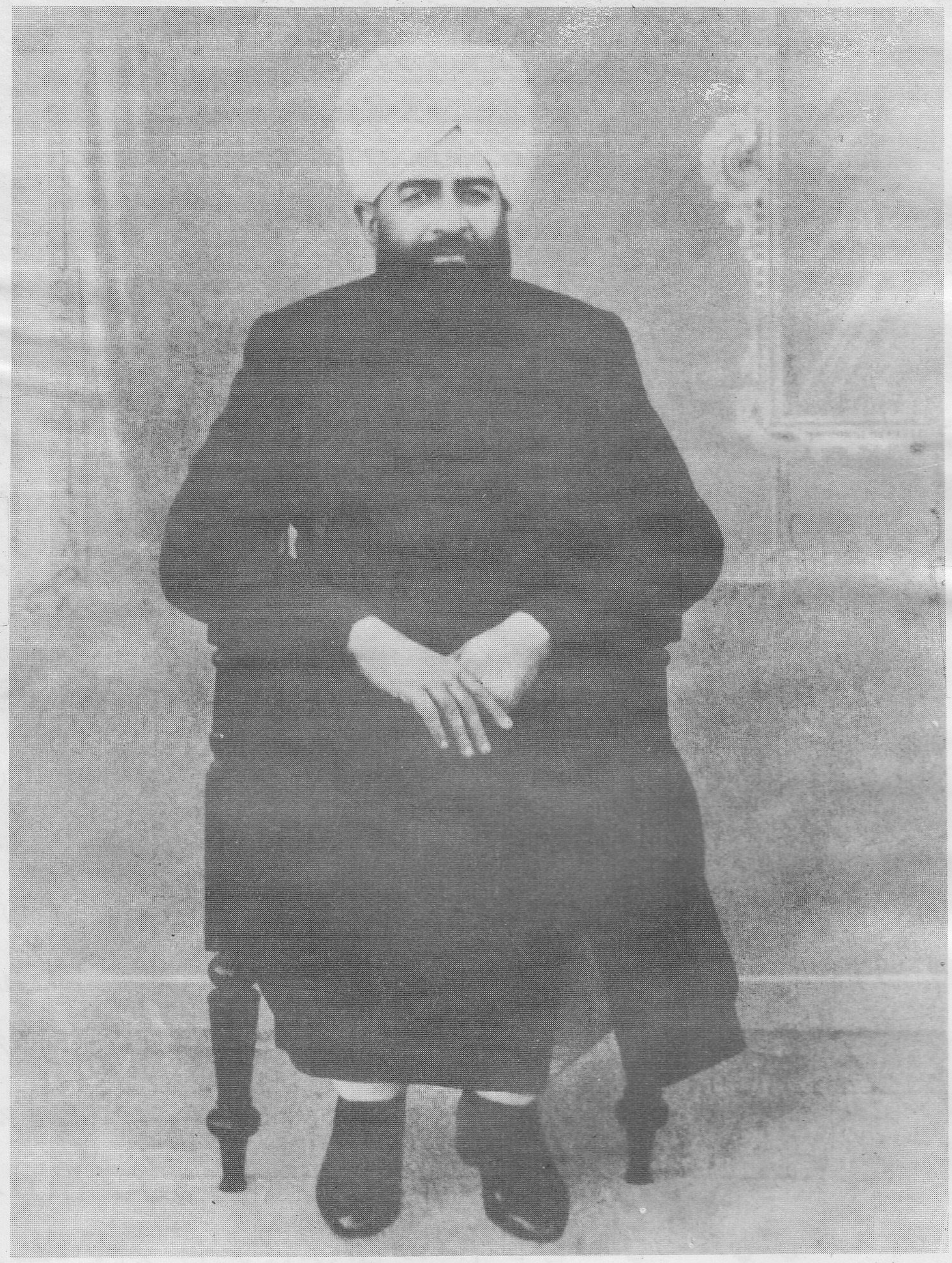
مکرم ایڈیٹر صاحب کے سوال پر کہ انصار اللہ کی عمر کو انسانی زندگی میں کس حد تک اور کیا اہمیت حاصل ہے۔ مکرم ڈاکٹر صاحب نے فرمایا:

یہ بہت دلچسپ بات ہے میں تو چونکہ خود انصار اللہ میں ہوں میں سمجھتا ہوں کہ یہ سنہری دور ہوتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے ایک دفعہ انصار اللہ کو فرمایا تھا کہ آپ تو جوانوں کے جوان ہیں۔ تو انصار اللہ کا دور آخر تک جاری رہتا ہے۔ ۴۰ سال کی عمر میں انسان اپنی تمام قوتوں اور قابلیتوں سے جو کہ عروج پر ہوتی ہیں وہ مزید ذہنی اخلاقی علمی اور روحانی ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ اور جب زیادہ عمر ہو جاتی ہے تو پھر طبعی اعتبار سے اور قدرتی لحاظ سے بہت سے عوارض انسان کو لاحق ہو جاتے ہیں اور ان عوارض کے نتیجے میں پھر بیماریاں پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔ شوگر کی بیماری عمر کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی جاتی ہے۔ بلکہ ایک عمر ایسی آتی ہے تقریباً پچاس فیصد لوگوں کو اس عمر میں شوگر کی بیماری ہو جاتی ہے۔ پھر دل کی بیماریاں بلڈ پریشر، گردوں کی بیماریاں اس عمر میں لاحق ہونے کا خطرہ ہوتا ہے، پھر دماغی بیماریاں ہیں، نسیان شروع ہو جاتا ہے، سمجھ بوجھ میں کمی واقع ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ اَرْذَلِ الْعُمَر کا قرآن کریم میں ذکر ہے وہ بھی آ جاتا ہے۔ تو گویا ایک لحاظ سے خوشیوں کا زمانہ بھی ہے اور ایک لحاظ سے فکروں کا زمانہ بھی ہے۔ اس طرح سے انصار اللہ آخری دور میں سوچتے ہیں کہ ہم نے اپنی ساری عمر میں کیا کمایا، کیا نیک کام کئے، کیا برے کام کئے۔ سارے کام اس کے سامنے سے فلم کی طرح گزرتے چلے جاتے ہیں۔ اسے استغفار کا موقع بھی ملتا ہے۔ اور اپنے مولیٰ کا شکر اور حمد کرنے کے مواقع بھی ملتے ہیں تو اس لحاظ سے انصار اللہ کا دور سنہری دور ہے۔

آخر میں قائد صاحب ذہانت و صحت جسمانی نے اپنی اور ایڈیٹر صاحب ماہنامہ انصار اللہ کی طرف سے اس انٹرویو پر ڈاکٹر صاحب موصوف کا شکریہ ادا کیا۔

(نوٹ) مکرم لئیق احمد منگلا صاحب کارکن نظارت اصلاح و ارشاد مقامی نے اس آڈیو انٹرویو کو تحریر کیا۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ

”یہ مقام چونکہ اللہ تعالیٰ کی پیشگوئی کے ماتحت قائم کیا جارہا ہے اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے فرشتے اس کی حفاظت کریں گے اور اس کی برکتیں اس سے وابستہ رہیں گی اور یقیناً اس مقام سے تعلق رکھنے کی وجہ سے نواب صاحب مرحوم کا نام بھی قیامت تک قائم رہے گا۔“



حضرت نواب محمد الدین صاحب مرحوم (۱۸۷۲ء-۱۹۴۹ء)

Monthly Ansarullah

EDITOR : NASRULLAH KHAN NASIR

Regd. No. CPL – 92 September , 2000

"خدا اپنی محبت میں صادق ہے اور اپنے وعدوں میں پورا"

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"......مومن کامل کی پاک تبدیلی کے ساتھ خدا تعالیٰ بھی ایک نئی صورت کی تجلّی سے اس پر ظاہر ہوتا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس نے انسان کو اپنے لئے پیدا کیا ہے کیونکہ جب انسان خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا شروع کرے تو اسی دن سے بلکہ اسی گھڑی سے بلکہ اسی دم سے خدا تعالیٰ کا رجوع اس کی طرف شروع ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس کا متولی اور متکفل اور حامی اور ناصر بن جاتا ہے۔ اور اگر ایک طرف تمام دنیا ہو اور ایک طرف مومن کامل تو آخر غلبہ اسی کو ہوتا ہے۔ کیونکہ خدا اپنی محبت میں صادق ہے اور اپنے وعدوں میں پورا۔ وہ اس کو جو در حقیقت اس کا ہو جاتا ہے ہرگز ضائع نہیں کرتا۔ ایسا مومن آگ میں ڈالا جاتا ہے اور گلزار میں سے نکلتا ہے۔ وہ ایک گرداب میں دھکیل دیا جاتا ہے اور ایک خوشنما باغ میں سے نمودار ہو جاتا ہے۔ دشمن اس کے لئے بہت منصوبے کرتے اور اس کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن خدا ان کے تمام مکروں اور منصوبوں کو پاش پاش کر دیتا ہے کیونکہ وہ اس کے ہر قدم کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس لئے آخر اس کی ذلت چاہنے والے ذلت کی مار سے مرتے ہیں اور نامرادی ان کا انجام ہوتا ہے۔ لیکن وہ جو اپنے تمام دل اور تمام جان اور تمام ہمت کے ساتھ خدا کا ہو گیا ہے وہ نامراد ہرگز نہیں مرتا اور اس کی عمر میں برکت دی جاتی ہے اور ضرور ہے' کہ وہ جیتا رہے جب تک اپنے کاموں کو پورا کر لے۔ تمام برکتیں اخلاص میں ہیں اور تمام اخلاص خدا کی رضا جوئی میں اور تمام خدا کی رضا جوئی اپنی رضا کے چھوڑنے میں۔ یہی موت ہے جس کے بعد زندگی ہے۔ مبارک وہ جو اس زندگی میں سے حصہ لے۔ (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۲۴۳)